بجملہ حقوق محفوظ

پھولوں کی کلیاں

حصہ دوم

یعنی

نہایت دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ

جنہیں

سید امتیاز علی صاحب تاج

نے ننھے بچوں کے لئے لکھا

سنہ ۱۹۳۹ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

قیمت ۱/ ۲ پائی

بار چہارم

Taj Tahir Foundation

جملہ حقوق محفوظ

پھولوں کی کلیاں

حصہ دوم

یعنی

نہایت دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ

جنہیں

سید امتیاز علی صاحب تاج نے ننھے بچوں کے لئے لکھا

سنہ ۱۹۳۹ء

دارالاشاعت پنجاب لاہور

بار چہارم

قیمت

Taj Tahir Foundation

Taj Tahir Foundation

فہرست

نمبر شمار	کہانی	صفحہ
۱	ادلے کا بدلہ	۵
۲	اصلیت نہیں جاتی	۱۰
۳	آری ٹوٹ گئی	۱۳
۴	گدھے کا شکار	۱۸
۵	چوہوں کا ملک	۲۴
۶	ڈر کے مارے	۳۴
۷	ہوشیار گیدڑ	۳۶
۸	کمہار کے جانور	۴۲
۹	دو ہمسائے	۴۶
۱۰	بلی اور چوہے	۵۱

Taj Tahir Foundation

صفحہ	کہانی	نمبر شمار
۵۷	شیر اور گیدڑ	۱۱
۶۰	تصویر بگاڑ دی	۱۲
۶۲	ڈرپوک خرگوش	۱۳
۶۶	چوہیا کے تین بچے	۱۴
۷۹	شیروں کا بادشاہ	۱۵
۸۳	چالاک کسان اور بونا	۱۶
۸۴	بندر اور کچھوے کی کہانی	۱۷
۹۲	چنیا بیگم اور لال کپتان	۱۸

Taj Tahir Foundation

ادلے کا بدلہ

کسی بُڑھیا نے خوب صورت مُرغیوں کا ایک جوڑا پال رکھا تھا۔ مُرغے کا نام کُٹ کُٹ کٹاک تھا۔ اور مرغی کا نام چُن چُن چُنین تھا۔

ایک دن صُبح کو کٹ کٹ کٹاک کی جو سوتے سے آنکھ کھُلی۔ تو اُس نے اپنی بیوی چُن چُن چنین سے کہا "رات کو ہم نے ایک بہت بُرا خواب دیکھا۔ شکاری کُتّے کی قسم کا ایک جانور ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ اور ہمیں نوالہ بنانے کو تیار تھا۔ نہ ہم سے دوڑا جاتا تھا۔ اور نہ ہمارے حلق سے آواز نکلتی تھی۔ پس کچھ پُوچھو نہیں کیا حالت ہوئی۔ اب بھی اس کے خیال سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا خیر کرے!"

چُن چُن چُنین مُسکرا کر بولیں "واہ جی میاں! آپ بھی عجب مرد ہیں۔ کہ ذرا سے خواب سے بوکھلا گئے۔ خواب تو اچھے بُرے نظر آیا ہی کرتے

ہیں۔ رات کھانا زیادہ کھا لیا ہوگا۔ بدہضمی کی وجہ سے خواب نظر آگیا۔ خواب کو تو چولھے میں جھونکیئے۔ البتہ اُٹھ کر کوئی دوا استعمال کیجئے۔ کہ کہیں بدہضمی کی وجہ سے دُشمنوں کی طبیعت زیادہ نہ بگڑ جائے۔"

کُٹ کٹ کٹاک نے پریشان نظروں سے بیوی کو دیکھ کر کہا۔ "تم کیا جانو! خواب سچ بھی نکل آیا کرتے ہیں"۔

چُن چُن چنین پر پھڑ پھڑا کر بولیں۔ "اے آگ لگے نگوڑے خواب کو۔ صُبح صُبح کیا دُکھڑا لے بیٹھے۔ بندی کا تو بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔ آیئے ذرا ٹہلیں۔ باتوں میں آپ کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔"

دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ دیر چہل قدمی کی۔ کوئی دانہ دُنکا۔ کیڑا مکوڑا نظر آیا۔ تو اس کا ناشتہ کیا۔ اور محبت کی باتوں میں خواب کو بھول بسر گئے۔

دو تین روز کے بعد میاں کُٹ کُٹ کُٹاک گھر کے باہر سینہ تانے بڑی شان سے پھر رہے تھے۔ اور چُن چُن چُنین کو بھی باہر بلا رہے تھے۔ تو دیکھتے کیا ہیں۔ کہ ایک جھاڑی میں ایک لومڑی بیٹھی اُنہیں گھور رہی ہے۔

اب تو میاں کُٹ کُٹ کٹاک کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ خواب آنکھوں میں پھر گیا۔ اور جہاں کھڑے تھے۔ وہیں جمے کے جمے رہ گئے۔

اندر سے چُن چُن چنیں کی آواز آئی۔ تو میاں کُٹ کُٹ کٹاک چونکے۔ اور ہمت کر کے بھاگنے کی ٹھہرائی۔ لیکن پر پُرزے تول ہی رہے تھے۔ کہ لومڑی بولی :-

"میں صدقے گئی۔ میں واری گئی۔ جانے کی کیوں ٹھہرا رہے ہو؟ اے کیا ڈر گئے مجھ سے؟ بیٹا میں تو تمہارے ہاں کی پُرانی آنے جانے والی بٹ بٹ بٹور ہُوں۔ خاک پڑے اس نگوڑی صورت پر۔ کہ جو دیکھتا ہے۔ مجھ سے بھاگتا ہے۔ میں تو اس آس میں ادھر نکلی تھی۔ کہ ذرا تم سے ایک آدھ گیت سُن کر دل خوش کروں گی۔ تمہاری آواز اللہ رکھے فرشتوں کی سی رس دار ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ آخر کس باپ کے بیٹے ہو۔ تمہارے ابا اور تمہاری اماں سے میرا بہت ملنا جلنا تھا۔ ایک دُوسرے کے گھر بھی آیا جایا کرتے تھے۔ اے ہے۔ بچاروں کو اولاد کی کوئی خوشی بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ اور اُٹھ گئے۔ پر اب ذرا سُنوں تو۔ تم اپنے ابا سے بہتر بھی گا سکتے ہو یا نہیں؟"

خالہ بٹ بٹ بٹور کی باتیں سُن کر میاں کُٹ کُٹ کٹاک پھول گئے۔ پنجوں کے بل ذرا اکڑ کے کھڑے ہو گئے۔ گردن تان لی۔ اور آنکھیں میچ کر راگیوں کی طرح ایک گیت گانا شروع کر دیا۔ خالہ نے جو دیکھا۔ کہ بھانجے ترنگ میں گا رہے ہیں۔ اور میری طرف سے بے فکر ہو گئے ہیں۔ تو یکلخت ان پر لپکیں۔ گردن سے پکڑ لیا۔ اور لے کر بھاگیں جنگل کو۔

خالہ بٹ بٹ بٹور لے کر چلی ہی تھیں۔ کہ اتفاق سے بی
چُن چُن چُنین گھر سے باہر آنکلیں۔ اور اُنھوں نے دیکھ لیا۔ کہ خالہ ان
کے میاں کٹ کٹ کٹاک کو لئے جا رہی ہیں۔ پھر کیا تھا۔ چُن چُن چُنین
نے تو شور مچا مچا کر گھر سر پر اُٹھا لیا۔ اور خالہ پر گالیوں اور کوسنوں کی
بوچھاڑ باندھ دی ؛

ادھر چُن چُن چُنین کا شور وغل سُن کر بُڑھیا کے لڑکے باہر نکل
آئے۔ اور معاملہ معلوم ہوتے ہی بٹ بٹ بٹور کے پیچھے لاٹھیاں
لے کر روانہ ہوئے۔ بہت بھاگے۔ پتھر اُٹھا اُٹھا کر مارے۔ لاٹھیاں
کھینچ کھینچ کر پھینکیں۔ مگر خالہ کب بھانجے کو چھوڑنے والی تھیں۔ وہ
اُسے لئے لئے جنگل تک جا پہنچیں ؛

کٹ کٹ کٹاک بے بس ہو کر گھسٹتے ہوئے جا رہے تھے۔ خالہ
بٹ بٹ بٹور کی بے تکلفی پر کچھ دیر کے لئے تو زمین آسمان ان کی
نظروں میں سیاہ ہو گیا۔ لیکن جب ان کے ہوش ٹھکانے پر آئے۔ تو
اُنھوں نے جان بچانے کی ایک ترکیب سوچی ؛

مشکل سے زخمی حلق سے آواز نکال کر بولے " خالہ بٹ بٹ بٹور۔
اگر تمہاری جگہ میں ہوتا۔ تو اس وقت کھڑا ہو کر ان پیچھا کرنے والوں
سے کہتا " حضور۔ اب میرا جنگل آ گیا۔ اب تم مجھ کو نہیں پکڑ سکتے۔ ایڑی
چوٹی کا زور لگاؤ۔ تو بھی میری گرد کو نہ پہنچو گے۔ اب میرا بھانجا

میرے پاس رہے گا۔ اور جب میرا جی چاہے گا۔ میں اس کو نوالہ بنا لوں گی"۔

خالہ بٹ بٹ بٹور باتوں میں آگئیں۔ بولیں "بہت اچھا یوں ہی کرتی ہوں"۔

لیکن خالہ بٹ بٹ بٹور کا منہ کھولنا تھا۔ کہ بھانجے کُٹ کُٹ کُٹاک منہ سے نکل لپک کر ایک جھاڑی پر جا بیٹھے۔

اب تو خالہ بہت سٹ پٹائیں۔ بولیں "اے ہے بیٹے بڑے بدگمان ہو تم۔ کیسی جلدی اُڑ کر بھاگ گئے ہو۔ اے میں تو تمہارے گیت اپنے بچوں کو سنانے کے لئے تمہیں اپنے گھر لے جا رہی تھی۔ خدا نہ کرے میرا کچھ اَور مطلب تھوڑا ہی تھا۔ تم نیچے آؤ۔ تو میں تمہیں سینے سے لگاؤں۔ اور میری کوئی بات تم کو بُری معلوم ہوئی ہو۔ تو تم سے اس کی معافی مانگوں"۔

لیکن کُٹ کُٹ کُٹاک اب باتوں میں آنے والے نہ تھے۔ بولے "خالہ بٹ بٹ بٹور۔ بھانجا بار بار آپ کی باتوں میں نہیں آسکتا۔ بس اب میرا آپ کا رشتہ تمام"۔

اتنے میں خالہ کا پیچھا کرنے والے وہاں آپہنچے۔ اور ایک لاٹھی ایسی تان کر رسید کی۔ کہ خالہ بٹ بٹ بٹور دوسری دنیا کو سدھاریں۔ اور بڑھیا کے بیٹے میاں کُٹ کُٹ کُٹاک کو لے کر بیوی چُن چُن چُننین کے پاس

Taj Tahir Foundation

آئے - میاں بیوی کی ملاقات ہوئی - تو دونوں نے خوشی کے مارے شور مچاکر آسمان سر پر اُٹھا لیا ٭

دیکھا بچو - بھانجے نے خالہ کو کیسا ادلے کا بدلہ دیا - جیسے خالہ نے خوشامد سے بھانجے کو دھوکا دیا - ویسے بھانجے نے بھی خوشامد سے خالہ کو فریب دیا ٭

اصلیّت نہیں جاتی

جُھٹ پٹے کے وقت ایک ہندوستانی جادُوگر گنگا کے کنارے ٹہل رہا تھا - کہ اوپر ایک اُلّو اُڑتا ہُوا گذرا - اُلّو نے ایک چُوہیا کہیں سے شکار کی تھی - اور اُسے چونچ میں پکڑ رکھا تھا - اس سنسان جگہ میں انسان کو دیکھ کر اُلّو ڈر گیا - اور گھبراہٹ میں چُوہیا اس کی چونچ سے چُھٹ کر زمین پر گر پڑی ٭

جادوگر نے بڑھ کر دیکھا - تو چوہیا میں جان باقی تھی - جادُوگر رحم دل انسان تھا - اس نے چوہیا کو اٹھا لیا - اور اپنے گھر لے آیا - گھر آکر اس کی مرہم پٹی کی - جس سے چُوہیا بہت جلد تندرست ہو گئی ٭ پھر جادُوگر نے کچھ عجیب عجیب بول پڑھ کر چُوہیا پر پھونکے - اور جادو کے زور سے اس کو

بہت خوب صورت لڑکی بنا دیا۔

پھر بولا۔ "لوبی! اب میں تمہاری شادی رچاؤں گا۔ بولو تم کس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ میں بڑا بھاری جادُوگر ہُوں۔ اور عجیب غریب باتیں کر سکتا ہُوں۔ تم جس کسی سے بھی شادی کرنا چاہو۔ بے فکری سے بتا دو۔ تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی"۔

جادوگر کی منہ بولی بیٹی یہ سُن کر بہت خوش ہوئی۔ اور اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وُہ بولی "اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ شادی میری اپنی مرضی سے ہو۔ تو میں تو اس سے شادی کروں گی۔ جو اس دُنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور ہو گا"۔

جادُوگر بولا "اس دُنیا میں سُورج سے زیادہ طاقت ور کون ہو گا۔ میں اس سے تمہاری شادی کیئے دیتا ہُوں"۔ چنانچہ جادُوگر نے سورج سے شادی کرنے کو کہا۔

سُورج بولا "بھلا میں سب سے طاقتور کہاں۔ بادلوں کو تو دیکھو۔ جب چاہتے ہیں۔ مجُھے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور میری روشنی کو چُھپا دیتے ہیں۔ مُجھ سے تو وہ کہیں زیادہ طاقت ور ہیں"۔

جادوگر نے بادلوں سے کہا "تو تم کو میری منہ بولی بیٹی سے شادی کرنی ہو گی"۔

بادل بولے "ارے بھائی۔ دنیا میں ہم سے بھی زیادہ طاقتور موجود

ہیں۔ اس ہوا ہی کو دیکھو۔ جہاں جی چاہتا ہے ہمیں پہنچا دیتی ہے۔ ہم سے زیادہ تو اس میں طاقت ہے"۔

جب ہوا سے درخواست کی۔ تو جادُوگر کو معلوم ہُوا۔ کہ پہاڑ اس سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ اور ہوا کے طُوفان اور سخت تھپیڑوں کو بھی روک لیتے ہیں۔

پہاڑوں سے کہا۔ تو اُنھوں نے جواب دیا "بھائی میاں۔ دُنیا میں مجھ سے زیادہ طاقت ور چیزیں بھی موجود ہیں۔ ذرا ان چوہوں پر تو غور کرو۔ مجھ میں جہاں چاہتے ہیں بل بنا لیتے ہیں۔ اور میری مرضی ہو۔ یا نہ ہو۔ ان بلوں میں مزے سے رہتے ہیں۔ ان کو میری طاقت کا ذرا بھی ڈر نہیں"۔

جادوگر کو اپنی پُوچھ گچھ کے نتیجے پر بہت افسوس ہُوا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ میری منہ بولی بیٹی یہ ذلت کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ چُوہے جیسے ذلیل اور ناچیز جانور سے شادی کر لے۔ لیکن جادُوگر یہ دیکھ کر بہت حیران ہُوا۔ کہ منہ بولی بیٹی اس بات کو سُن کر بے حد خوش ہوئی کہ چوہا دنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے"۔

آخر جادُوگر پھر اسے اس روپ میں لے آیا۔ جس میں اُسے پایا تھا۔ اور چوہیا کی شادی ایک چُوہے سے کردی۔ دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

صورت شکل بدلی جاسکتی ہے۔ مگر اس سے طبیعتیں نہیں بدلا کرتیں۔

آری ٹوٹ گئی

رام لال نے شانتی سروپ سے کہا۔" شانتی۔ لالہ مکند لال کو اپنی دُکان پر کام کرنے کے لئے ایک لڑکے کی ضرورت ہے۔ تم نوکری تلاش کر رہے تھے۔ دل چاہے تو وہاں نوکر ہو جاؤ"۔

شانتی نے کہا۔"میں آج ہی ان کے پاس جاؤں گا"۔ اور دَوڑا دَوڑا اپنی ماں کے پاس آیا۔

شانتی کا باپ مر چکا تھا۔ کما کر لانے والا کوئی رہا نہیں تھا۔ بیچاری ماں محنت مزدوری سے جو کچھ کماتی۔ اس سے بڑی مشکل سے شانتی کا اور اپنا پیٹ پالتی تھی۔

شانتی نے ماں سے کہا۔" اماں جی۔ لالہ مکند لال کو اپنی دُکان پر ایک نوکر کی ضرورت ہے۔ کوئی لڑکا چاہتے ہیں۔ کہو تو میں وہاں نوکری کر لُوں"؟

شانتی ابھی دس سال کا تھا۔ لیکن چونکہ اس کی ماں بڑی غریب تھی۔ وہ چاہتی تھی۔ یہ اتنا ہی کما لایا کرے۔ کہ اس کے کپڑے صاف سُتھرے

Taj Tahir Foundation

رہ سکیں۔ تو بڑی بات ہے ؀

اُس نے بچّے کو لپٹا کر پیار کیا۔ اور کہا " دوپہر کے وقت میں تمہارے ساتھ لالہ مکند لال کی دُکان پر چلوں گی " ؀

دوپہر کے وقت جب ماں کو محنت مزدوری سے فرصت ملی۔ تو وہ شانتی کو ساتھ لے کر لالہ مکند لال کی دُکان کو چلی ؀

لالہ مکند لال بڑے تیز مزاج مشہور تھے۔ اُنہیں سُست نوکر ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ چاہتے تھے۔ کہ نوکروں کے سپرد جو کام کریں۔ وہ اسے دل لگا کر خوب اچھی طرح کر دیا کریں ؀

اس وجہ سے نوکران کے ہاں زیادہ دنوں تک ٹکتے نہ تھے۔ لیکن انصاف سے دیکھا جائے۔ تو وہ نوکروں سے کچھ بہت بڑا کام نہ لیتے تھے۔ بس یہ کام تھا۔ کہ دکان کھولی۔ جھاڑو بہارو دی۔ چیزیں جھاڑی پونچھیں۔ اِدھر اُدھر خط پتر پہنچائے۔ اور خالی وقت میں کچھ گھر کا کام کاج کر دیا ؀

لالہ مکند لال کی دُکان پر پہنچ کر ماں نے آنے کی وجہ بیان کی۔ لالہ صاحب نے شانتی سے کہا " کیوں بھئی کام سے دل تو نہیں چُراتا ہے ؟ اور ذرا ذرا سا کام کر کے تھک تو نہیں جایا کرتا ؟ "

شانتی نے ادب سے کہا " لالہ جی۔ میں ہر طرح آپ کو خوش کرنے کی کوشش کروں گا " ؀

ماں بولی " لالہ جی - بڑا سیدھا اور محنتی بچہ ہے - مجھ پر مُصیبتیں نہ پڑ جاتیں - تو میں تو اسے اسکول میں پڑھواتی - پر کیا کروں - پیسے پیسے کو محتاج ہوں - اس لئے اُسے ابھی سے نوکر کروا رہی ہوں "

لالہ مکندلال بولے " لڑکا سیدھا اور محنتی ہو - تو اس سے اچھی کیا بات ہے - لیکن آج کل تو جتنے لڑکے میں نے رکھے - سب کے سب کھلنڈرے اور شریر نکلے - اپنی شکل سے تو یہ بھلا معلوم ہوتا ہے - ہفتہ بھر امتحان کے طور پر نوکر رکھ کر دیکھتا ہوں - اچھا نکلا - تو دس روپے خشک دے دیا کروں گا - اور اگر اس سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی - تو تین مہینے کے بعد پندرہ روپے دینے میں بھی مجھے انکار نہ ہوگا "

شانتی دل میں بہت خوش ہوُا - کہ میں بھی کچھ کمانے کے قابل ہو گیا ہوں - اس نے دل میں ارادہ کر لیا - کہ میں ہر طرح لالہ جی کو خوش رکھنے کی کوشش کروں گا ۔

نوکر ہوئے تیسرا دن تھا - کہ لالہ جی نے کہا " شانتی اب دکان پر کوئی کام نہیں - تو ہمارے گھر چلا جا - وہاں مردانے مکان میں جو چھپر ہے - اس میں ٹوٹے پھوٹے کواڑ اور ردی کرسیاں پڑی ہیں - آری لے جا - اور اُنہیں ایندھن کے کام میں لانے کے لئے کاٹ ڈال "

شانتی کو ایسے کام بہت پسند آتے تھے - بڑی خوشی سے گھر روانہ ہو گیا - اور وہاں چھپر میں آری سے لکڑیاں کاٹنے لگا - ایک کواڑ کی لکڑی

Taj Tahir Foundation

کچھ سخت تھی۔ اسے کاٹنے کے لیۓ زور جو لگایا۔ تو آری کا لوہا ٹوٹ کر دو ہو گیا ٭

لالہ جی کے ہاں گھر کا کام کاج کرنے کو ایک اَور لڑکا نوکر تھا۔ وہ بھی اس وقت وہیں چھپر میں موجود تھا۔ بولا "بابو صاحب۔ اب تمہیں پتہ لگے گا۔ لالہ جی زندہ نہ چھوڑیں گے" ٭

شانتی کو آری ٹوٹنے سے رنج تو بہت ہُوا۔ مگر وُہ ڈرا نہیں۔ جانتا تھا۔ مَیں نے آری جان بوجھ کر نہیں توڑی۔ اتفاق سے ٹوٹ گئی ہے۔ لیکن اسے بڑی فکر تھی۔ کہ اگر لالہ جی نے نوکری سے الگ کر دیا۔ تو پھر کیا ہوگا۔ اور اماں کو کتنا افسوس ہوگا ٭

دوسرا لڑکا بولا "اب بیٹھے سوچ کیا رہے ہو۔ مار سے بچنا ہے۔ تو اپنے گھر کو بھاگو" ٭

شانتی نے کہا "بھاگُوں کیوں۔ مَیں نے کیا قصور کیا ہے؟ اگر قصور کیا بھی ہوتا۔ تو مَیں ایسا بُزدل نہیں۔ کہ ڈر کر بھاگ جاؤں" ٭

شانتی ٹوٹی ہوئی آری ہی سے شام تک لکڑیاں چیرتا رہا۔ اور لالہ جی کے گھر آنے کا انتظار کرتا رہا ٭

لالہ جی دکان سے اُٹھ کر کہیں اَور چلے گئے تھے۔ اور خاصی رات گئے گھر لوٹے۔ شانتی کو دیکھ کر کہنے لگے "ارے۔ تو ابھی تک یہیں بیٹھا ہے اپنے گھر نہیں گیا"؟

شانتی نے کہا۔" لالہ جی مجھ سے آپ کا ایک نقصان ہو گیا۔ لکڑیاں کاٹنے میں آری ٹوٹ گئی"۔

لالہ جی بولے۔" اس کا ذکر کرنے کے لئے اب تک ٹھہرا رہا۔ صبح کو نہیں بتا سکتا تھا"؟

شانتی نے کہا۔" آپ کو بتائے بغیر مجھے چین نہ پڑتا۔ ساری رات مجھ کو نیند نہ آتی۔ لالہ جی۔ میں نے اپنی طرف سے کوئی بے احتیاطی نہیں کی تھی۔ بہت احتیاط سے لکڑیاں چیر رہا تھا۔ لیکن افسوس آری ٹوٹ گئی۔ یہ میرا ہی قصور ہے مجھے معاف کر دیجئے"۔

لالہ مکند لال کچھ دیر تک لڑکے کو گھورتے رہے۔ اور پھر بولے۔" تو صرف اس نقصان کی خبر مجھے دینے کو ٹھہرا رہا ہے نا؟ تو میری مرضی کا نوکر ہے۔ اچھا ہوا۔ کہ آری ٹوٹ گئی۔ اس نقصان سے مجھے یہ تو معلوم ہو گیا۔ کہ تو سچا۔ دیانت دار اور بہادر بچہ ہے۔ اور میں تجھ پر اعتبار کر سکتا ہوں"۔

شانتی تمام راستے دوڑتا ہوا گھر پہنچا۔ اور سارا واقعہ اپنی ماں کو سنایا۔ ماں کو یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی۔ کہ بیٹے نے وہی کیا۔ جو اُسے کرنا چاہئے تھا۔

لالہ جی نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور بہت جلدی شانتی کی تنخواہ پندرہ روپے کر دی۔ پھر تو شانتی کی ماں ہر مہینے تنخواہ میں سے تھوڑا روپیہ بچانے

لگی۔ کچھ عرصے بعد اتنا روپیہ جمع ہوگیا۔ کہ شانتی نے اپنی ایک چھوٹی سی دُکان کھول لی۔ لالہ مکند لال نے اسے دُکان کے کھولنے کے لئے کچھ روپیہ انعام کے طور پر دیا۔ اپنی محنت اور ہمت سے شانتی نے دُکان خوب چلائی۔ اور اس کی آمدنی سے اپنی ماں کو بڑے آرام سے رکھنے لگا۔

بہت سے دُوسرے لوگوں کی طرح شانتی کو بھی معلوم ہوگیا۔ کہ دُنیا میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے اچھا اور آسان ذریعہ سچائی اور دیانتداری ہے۔

گدھے کا شکار

ایک روز ایک بھوکا بھیڑیا خوراک کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ ایک میدان میں اُسے ایک نوجوان جنگلی گدھا ٹہلتا ہؤا دکھائی دِیا۔ گدھے کو دیکھتے ہی بھیڑیئے کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ دل میں سوچنے لگا۔ کہ بھوک کے مارے پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا۔ یہ خوب تر نوالہ ملا۔ بس اس کا ناشتہ کرنے کے بعد آج شکار کی تکلیف نہ کرنی پڑے گی۔ یہ سوچ۔ بھیڑیا گدھے کی طرف دوڑا۔ قریب پہنچا۔ تو کھڑ بڑ کی

Taj Tahir Foundation

آواز سے گدھا چونکا۔ اور بھیڑیئے کو حملے کے لئے تیار دیکھ کر کہنے لگا:۔

"ماموں۔ بھلا مجھ ہڈیوں کی مالا کا شکار کر کے تمہیں کیا ملے گا؟ مَیں جان سے جاؤں گا۔ تمہارا پیٹ نہ بھرے گا۔ یوں کرو۔ کہ دو چار مہینے کے لئے مجھے اَور زندہ چھوڑ دو۔ بہار کا موسم ہے۔ جنگل ہرے بھرے ہو رہے ہیں۔ مَیں کچھ کھاپی لوں۔ تو بہار ختم ہوتے ہوتے اچھا خاصا موٹا تازہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت شوق سے میرا ناشتہ کرنا"۔

بات بھیڑیئے کی سمجھ میں آگئی۔ بولا "بہت خُوب ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔ مگر قول دو۔ کہ بہار کا موسم ختم ہونے پر تم اسی جگہ واپس آجاؤ گے"

گدھے نے وعدہ کیا۔ اور بھیڑیا گدھے کو چھوڑ کر اَور شکار کی تلاش میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

جب بہار کا موسم ختم ہونے کو آیا۔ تو بھیڑیا جُھومتا جھامتا چلا گدھے کا شکار کرنے۔ راستے میں ایک لُومڑی سے ملاقات ہو گئی۔ لُومڑی بولی:-

"بھیّا سلام۔ یہ آج صبح صبح کدھر کے ارادے ہیں؟"

بھیڑیا بولا۔ "بھئی کئی مہینے ہوئے ایک گدھے نے وعدہ کیا تھا۔ کہ مَیں آج کے دن سامنے کے میدان میں آؤں گا۔ وہاں آکر تم میرا شکار کر لینا۔ ذرا اس کی مزاج پُرسی کو جا رہا تھا"۔

لُومڑی بولی۔ تو یُوں کہو۔ آج تو ضیافت رہے گی۔ مگر بھیّا۔ گدھا تو اِتنا بڑا جانور ہے۔ سارے کا سارا تم سے کیسے کھایا جائے گا۔ اگر تمہیں

بُرا نہ لگے۔ تو اپنی بہن کو بھی شکار میں شامل کر لو"۔

بھیڑیئے نے جواب دیا" ہاں ہاں۔ اس میں کیا مضائقہ ہے۔ تم چھٹانک بھر گوشت کھانے والی جان۔ تمہیں شریک کرنے سے میں کون سا بھوکا رہ جاؤں گا۔ تم شوق سے میرے ساتھ چلی چلو"۔

لومڑی بھیڑیئے کے ساتھ ہولی۔ اور دونوں نے مقررہ جگہ کی راہ لی۔ تھوڑی دُور ہی گئے ہوں گے۔ کہ ایک خرگوش سے دوچار ہوئے۔

خرگوش بولا" چچا سلام۔ خالہ جان آداب۔ یہ صُبح ہی صبح کہاں جانے کی ٹھانی ہے"؟

لومڑی نے دُعائیں دیں۔ بھیڑیئے نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔ "بھتیجے ایک گدھے نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ کہ آج کے روز میرا شکار کر لینا۔ میں اس کا فیصلہ کرنے کو جا رہا تھا۔ کہ راستہ میں تمہاری خالہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا۔ ہمیں بھی شریک کر لو۔ ہم نے کہا۔ سر آنکھوں پر۔ بس اب دونوں کے دونوں اُدھر ہی جانے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

خرگوش بولا" تو چچا یہ دعوتیں اکیلے ہی اکیلے رہیں گی۔ بھتیجے کو حصّہ نہ ملے گا؟ بھلا جنگلی گدھا۔ اِتنا بڑا جانور۔ سارے کا سارا تم دو سے بھی نہ کھایا جائے گا۔ اور ہمیں تو تم جانتے ہو۔ ہماری کتنی خوراک ہے۔ اجازت ہو۔ تو ہم بھی حصّہ دار بن جائیں"؟

بھیڑیا بولا" ضرور ضرور۔ بھلا تم سے زیادہ اَور کون عزیز ہے"؟

Taj Tahir Foundation

اب تینوں نے مل کر میدان کی راہ لی۔ اور جس جگہ گدھے نے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہاں جا پہنچے، دیکھا۔ کہ گدھا کھڑا بھیڑیئے کا راستہ دیکھ رہا ہے۔ بہار کے دنوں میں ہری ہری اور تازہ گھاس کھا کر گدھا مشک کی طرح پھُول گیا تھا۔ اور کچھ نہیں۔ تو پہلے کی نسبت دُگنا ضرور ہو گیا تھا، بھیڑیئے نے گدھے کو اتنا موٹا تازہ دیکھا۔ تو اُس کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اس کے گوشت کے مزے کا خیال کر کے زبان سے چٹخارے لینے لگا۔

بولا "واہ دوست واہ۔ تم تو ماشاء اللہ خوب موٹے تازے ہو گئے ہو۔ ہم اپنے وعدے کے مُطابق تمہارا شکار کرنے آ گئے ہیں۔ یہ ہمارے ساتھی ہماری بہن لُومڑی اور ہمارے بھتیجے میاں خرگوش بھی آئے ہیں۔ یہ بھی شکار میں ایک آدھ بوٹی کے شریک ہونا چاہتے ہیں"۔

یہ کہہ کر بھیڑیئے نے گدھے پر جھپٹنے کے لئے بازو تولنے شروع کئے اتنے میں خرگوش نے چلّا کر کہا۔ "چچا ذرا ٹھہرنا۔ ذرا ٹھہرنا۔ ایک بات میرے ذہن میں آئی۔ دیکھیں تم کیا کہتے ہو۔ ہماری رائے میں گدھے کا خون بڑی مزے کی چیز ہے۔ اور اگر تم نے اس طرح گردن پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کیا۔ تو تمام خون بہ کر ضائع ہو جائے گا، یوں نہ کیا جائے کہ گلا گھونٹ کر اس کو مار ڈالیں؟ اس طرح بوند برابر خون بھی ضائع نہ ہوگا اور پھر مزے سے اس کا ناشتہ بنا جائیں گے"۔

بھیڑیئے نے خرگوش کی رائے پسند کی۔ اور کہا "بھتیجے ماشاء اللہ۔ بات تو بڑی مزے کی کہی۔ مگر یہ بتاؤ۔ اس کا گلا کس طرح گھونٹیں"؟

خرگوش بولا "واہ چچا۔ تم بھی سمجھتے ہوگے۔ میں بھیڑیا ہوں! یہ بھی کوئی بات میں بات نکالی ہے۔ یہ ساتھ ہی تو گاؤں ہے۔ وہاں کنوؤں پر کھیتوں میں اِدھر اُدھر سینکڑوں رسیاں پڑی رہتی ہیں۔ وہاں سے ایک رسی لے آنا کیا بڑی بات ہے۔ رسی آ گئی۔ تو بس اس کا پھندا بنا کر گدھے کی گردن میں ڈال دو۔ ادھر سے ہم تینوں مل کر کھینچیں گے۔ اور دو منٹ میں گدھے میاں کا کام تمام ہو جائے گا۔ نہ کہو گے۔ کیسی کہی"؟

اس ترکیب کو سب نے پسند کیا۔ اور خالہ لومڑی ساتھ کے گاؤں کو روانہ ہو گئیں۔ اور تھوڑی دیر میں ایک مضبوط رسی لے کر واپس آ گئیں ؂

خرگوش بولا "لو بس اب چچا میاں اور خالہ بی۔ تم ذرا پرے ہٹ جاؤ۔ میں دم بھر میں سب انتظام کئے لیتا ہوں"؟

خرگوش نے رسی لے کر اس کے ایک سرے پہ ایک بڑا پھندا بنایا۔ اور دوسرے سرے کے قریب دو چھوٹے چھوٹے پھندے بنائے۔ کہنے لگا۔ "لو دیکھو۔ اب یوں کرنا چاہیئے۔ یہ بڑا پھندا تو گدھے کی گردن میں ڈال دیں۔ اور چچا میاں اور خالہ بی۔ یہ چھوٹے پھندے آپ اپنی گردنوں

میں ڈال لیں۔ ادھر کا خالی سرا میں پکڑ لوں گا۔ جب میں کہوں کھینچو۔ تو اس وقت ہم تینوں اکٹھے مل کر رسّی کھینچنا شروع کریں گے۔ اور پل بعد میں گدھے کو ڈھیر کر دیں گے"۔

چچا اور خالہ نے اس ترکیب کو پسند کیا۔ اور خرگوش کو دُعائیں دیں۔ اس کے بعد بڑا پھندا گدھے کی گردن میں ڈال دیا۔ اور چھوٹے پھندے میں سے ایک بھیڑیئے نے اور دُوسرا لُومڑی نے اپنی گردن میں ڈال لیا۔ جب سب انتظام ٹھیک ہو گیا۔ تو خرگوش نے بھیڑیئے اور لُومڑی کی طرف کی رسّی کے آخری سرے کو اپنے دانتوں میں پکڑ لیا۔

خرگوش بولا "چچا میاں اور خالہ بی۔ اب تیار ہو؟"

دونوں نے جواب دیا "بالکل تیار"۔

خرگوش نے کہا "بس تو پھر رسّی کھینچو"۔

یہ سُنتے ہی سب نے مل کر زور لگانا شروع کیا۔

گدھے کی گردن پر جو رسّی کا زور پڑا۔ تو اُس نے گھبرا کے دَوڑنا شروع کیا۔ اب بھیڑیا۔ لومڑی اور خرگوش تینوں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اور ہوٹا تازہ اور مضبوط گدھا ہے۔ کہ تینوں کے تینوں کو بے تکلف گھسیٹے لئے جا رہا ہے۔

گدھے کے بھاگنے کی وجہ سے بھیڑیئے کی گردن کا پھندا جو کھچنا شروع ہوا۔ تو اُس نے بھنّا کر کہا "اماں کھینچتے ہو۔ یا مذاق کر رہے ہو"۔

Taj Tahir Foundation

ادھر بی لومڑی کا دم گھٹنا شروع ہوُا۔ اور گھبرا کر بولیں "اے بھائی میری تو جان نکلی۔ ذرا زور لگاؤ"۔

خرگوش نے کہا "آپ ہی زور لگاتے پھرو" یہ کہہ کر دانتوں سے رسّی چھوڑ دی۔ اور الگ کھڑا ہو گیا۔ گدھا۔ لومڑی اور بھیڑئیے کو لئے لئے تمام میدان میں سرپٹ دوڑتا پھرا۔ ذرا سی دیر میں دونوں کا دم نکل گیا۔ گدھے نے کھڑے ہو کر رسّی کا پھندا اپنی گردن سے نکال پھینک دِیا۔ اور مزے سے گھاس چرنے میں مشغول ہو گیا۔ خرگوش میاں ہنستے ہوئے گھر کو روانہ ہو گئے۔

چُوہوں کا مُلک

کسی بادشاہ کے مُلک میں بہت سے چُوہے بستے تھے۔ چونکہ ملک میں پیداوار بہت ہوتی تھی۔ اس لئے چُوہوں کو کھانے پینے کی کمی نہ پڑتی۔ اور وہ خوب مزے میں زندگی گذارتے + چُوہوں کی گذر زیادہ تر اس اناج پر ہوتی تھی۔ جو کسان لوگ فصلیں سمیٹنے کے بعد کھیت میں چھوڑ جایا کرتے تھے۔

لیکن ایک سال اتّفاق سے فصلیں اچھّی نہ ہوئیں۔ چُوہوں کو بڑی

فکر ہوئی۔ کہ اب کیا کھا کر پیٹ پالیں + تھوڑا بہت جو کچھ جمع تھا۔ وہ اتنا تھا۔ کہ صرف ایک دو مہینے اَور اس پر بسر ہو سکتی تھی۔ آخر چُوہوں کے بادشاہ نے فیصلہ کیا۔ کہ ہم ملک کے بادشاہ سے درخواست کریں۔ کہ چُوہوں کو ضرورت کے موافق شاہی غلّے خانے میں سے اناج قرض دے دِیا جائے۔ آتے سال ہم اسے ادا کر دیں گے +

اگلے دن چُوہوں کے بادشاہ نے اپنے اچھے سے اچھے کپڑے پہنے۔ اور صبح صبح بادشاہ کے محل کی طرف چل کھڑا ہوُا + جب وہ محل کے دروازے پر پہنچا۔ تو دربان نے پُوچھا "تم کہاں جانا چاہتے ہو"؟

چوہوں کے بادشاہ نے کہا۔ "مَیں ملک کے بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہُوں۔ مجھے اس سے کچھ درخواست کرنی ہے" +

بادشاہ کو جو معلوم ہوُا۔ کہ ایک چُوہا مجھ سے ملنے آیا ہے۔ تو وہ بہت حیران ہُوا۔ اور اس نے حکم دیا۔ کہ "جاؤ اس کو ہماری خدمت میں حاضر کرو" +

جب چوہا بادشاہ کے حضور میں آیا۔ تو بہت خوبی سے آداب بجا لایا۔ اور چُپکا کھڑا ہو گیا +

بادشاہ نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا "کہو بھئی چُوہے کیسے آئے"؟

چوہا بولا "بادشاہ سلامت۔ حضور کو معلوم ہے۔ کہ اس سال

ملک میں فصلیں اچھی نہیں ہوئیں۔ فصل کا جو غلّہ کسان لوگ کھیتوں میں بکھرا ہوُا چھوڑ جاتے تھے۔ اس سے ہم لوگ اپنا پیٹ پالا کرتے تھے۔ اس دفعہ ہمیں کچھ نصیب نہیں ہوُا۔ اور ہمیں ڈر ہے۔ کہ ہم لوگ کہیں فاقے کر کر کے مر نہ جائیں۔ اس لئے میَں جو چوُہوں کا بادشاہ ہُوں۔ آپ کی خدمت میں مدد پانے کی اُمّید میں حاضر ہُوا ہوُں۔ ہمیں جتنے غلّے کی ضرورت ہے۔ اگر حضور قرض عنایت فرمائیں۔ تو ہم سب حضور کے بہت شکر گذار ہوں گے۔ اور اگلے سال سب کا سب ادا کر دیں گے۔"

بادشاہ نے پُوچھا "تمہیں کتنا غلّہ درکار ہے؟"

چوُہے نے کہا "میرے خیال میں حضور کے غلّے خانے کی ایک کوٹھی کافی ہوگی۔"

بادشاہ بولا "میَں اگر پوری کوٹھی تُمہیں دے بھی دُوں۔ تو تم اُسے اٹھا کر کس طرح لے جاؤ گے؟"

چُوہے نے جواب دِیا "اس کا فکر آپ مت کیجئے۔ اگر آپ نے اناج دے دِیا۔ تو اُس کے لے جانے کا بندوبست ہم خود کر لیں گے۔"

آخر بادشاہ نے چُوہے کی درخواست مان لی۔ غلّہ کی ایک کوٹھی انہیں قرض دے دی۔ اور اپنے افسروں کو حکم دیا۔ کہ کوٹھی کو کھول دیں۔ اور جتنا غلّہ چُوہے لے جانا چاہیں انہیں لے جانے دیں۔

اسی دن رات کو چُوہوں کے بادشاہ نے اپنی تمام رعایا کو جمع کیا۔ جن کی گنتی ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچتی تھی۔ اور سب کے سب مل کر اس کوٹھی پر پل پڑے۔ اور ہر ایک سے جتنا غلّہ اُٹھ سکا۔ اُس نے منہ میں اور پیٹھ پر اُٹھا لیا۔ اور جب وہ سب وہاں سے واپس ہوئے۔ تو کوٹھی میں اناج کا ایک دانہ تک باقی نہ بچا؀

اگلے دن بادشاہ غلّے نمانے میں گیا۔ تو دیکھا۔ کہ جو کوٹھی چُوہوں کو دی گئی۔ وُہ بالکل خالی پڑی ہے۔ اور چُوہوں نے بڑی صفائی سے رات کی رات میں تمام غلّہ اُٹھا لیا ہے؀

بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اُس نے دل میں سوچا۔ کہ یہ چُوہے تو بہت طاقت ور ہیں۔ پھر اگلے سال جب چُوہوں نے ٹھیک وعدے کے دِن تمام قرض غلّہ لا کر واپس کر دیا۔ تو بادشاہ کی حیرانی کا کچھ ٹھکانا ہی نہ رہا۔ اور اُس نے سوچا۔ کہ چُوہوں کی قوم بڑی ہوشیار اور اعتبار کے قابل ہے؀

تھوڑے دنوں بعد اس ملک کے بادشاہ کی اپنے ایک ہمسائے بادشاہ سے لڑائی چھڑ گئی۔ دونوں مُلکوں کے درمیان ایک دریا سرحد کا کام دیتا تھا۔ اور دونوں کی فوجیں دریا کے دونوں طرف آمنے سامنے پڑی تھیں۔ دُوسرے ملک کا بادشاہ بہت امیر اور طاقتور تھا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اُس نے اَن گنت فوجیں جمع کر لیں۔ اور بڑے زور سے

چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگا ۔

چوہوں کو یہ حال معلوم ہُوا۔ تو انہیں فکر ہوئی۔ کہ اگر دشمن بادشاہ جیت گیا۔ تو اُن کے دوست بادشاہ کو مار ڈالے گا۔ اور پھر خدا جانے رعایا کو کیا کیا دُکھ دے! اس لئے چوہوں کا بادشاہ پھر ملک کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا۔ اور محل کے دروازے پر پہنچ کر اپنے آنے کی خبر کروائی۔ اندر آنے کی اجازت فوراً مل گئی ۔

چُوہوں کا بادشاہ اندر پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ بادشاہ بہت غمگین اور چُپ چاپ بیٹھا ہے۔ چوہوں کے بادشاہ نے کہا:۔

"بادشاہ سلامت میں آج دُوسری دفعہ اس لئے آیا ہُوں۔ کہ اس آڑے وقت حضور کی کچھ مدد میرے بس میں ہو۔ تو کروں ۔ پچھلی دفعہ جب میں آیا تھا۔ تو حضور نے مجھ پر اور میری رعایا پر بہت مہربانی کی تھی۔ جس کے لئے ہم ہمیشہ حضور کے شکر گذار رہیں گے۔ اور اب اگر حضور کو ہم سے کسی طرح کی مدد مل سکتی ہے۔ تو اس کے لئے ہم دل اور جان سے حاضر ہیں"۔

بادشاہ اگرچہ بہت غمگین بیٹھا تھا۔ مگر چُوہے کی یہ بات سُن کر ہنس پڑا۔ اور بولا" اس مصیبت میں چُوہے میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ دُشمن مجھ پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس کی فوجیں مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔ میری تمام رعایا بھی مل کر اس کی فوج کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ایسے فکر میں بھلا چُوہوں سے

کیا مدد مل سکتی ہے ؟"

چوہا بولا" بادشاہ سلامت۔ حضور کو یاد ہوگا۔ کہ پچھلی دفعہ جب مَیں حاضر ہُوا تھا۔ تو حضور کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا۔ کہ ہم عاجز چُوہے اناج کی کوٹھی کا سب غلّہ اُٹھا کر لے جا سکیں گے۔ لیکن ہم جس طرح غلّہ اُٹھا کر لے گئے تھے۔ ویسے ہی ہم نے واپس لاکر کوٹھی کو دوبارہ بھر بھی دیا۔ بس اب ہم غلام صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضور ہم عاجزوں پر بھروسہ کریں۔ اور جو دو تین درخواستیں یہ غلام کرتے ہیں۔ انہیں پورا کر دیں۔ پھر حضور کو دُشمن کی فوج سے نجات دلانا ہمارا کام ہے "۔

چوہے کی یہ بات سُن کر بادشاہ قائل ہوگیا۔ اور کہنے لگا" جو کچھ تم کہتے ہو درست ہے۔ بہت بہتر۔ اب بتاؤ۔ مَیں کیا کروں۔ تم جو کچھ کہو۔ مَیں کرنے کو تیار ہُوں "؟

چوہا بولا" بہت خوب۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضور کل شام تک ایک لاکھ ایسی چھڑیاں جمع کروا دیں۔ جو ایک ایک فٹ کے قریب لمبی ہوں۔ اور اُن کو دریا کے کنارے کے پاس رکھوا دیں۔ اگر آپ نے اتنا کام کر دیا۔ تو دُشمن کی فوج کے حواس ہم غائب کر دیں گے۔ اگر ہم اپنے ارادے میں کامیاب ہوگئے۔ تو ہم حضور سے اتنی رعایت چاہیں گے۔ کہ حضور اس ملک کے چُوہوں کو دو خطروں سے نجات دلا دیں۔ جن کے سبب سے ہم عاجزوں کی زندگی مشکل ہو رہی ہے "۔

Taj Talim Foundation

بادشاہ نے جواب دیا۔ کہ "تم جیسے مددگار دوستوں کو مصیبت سے بچانے کے لئے جو کچھ میرے بس میں ہوگا۔ میں اُٹھا نہ رکھوں گا۔ تم بتاؤ۔ کہ وہ کون سے ایسے خطرے ہیں؟"

چُوہا بولا۔ "میں نے جن خطروں کا ذکر کیا۔ ان میں سے ایک طُوفان ہے اور دُوسرے بلّیاں۔ حضور کو معلوم ہے۔ کہ ہمارے بل زیادہ تر دریا کے قریب نچلی زمین میں ہیں۔ جب دریا میں طوفان آتا ہے۔ تو ہر طرف پانی ہی پانی ہوجاتا ہے۔ ہمارے بل اس سے بھر جاتے ہیں۔ اور چُوہے پانی میں غرق ہوکر مرجاتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ حضور دریا کے کنارے ایک مضبوط پشتہ بنوادیں۔ تاکہ پانی ہمارے بلوں میں نہ آسکے۔ دُوسرے حضور کو معلوم ہے۔ کہ بلّیاں ہماری جان کی دُشمن ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ حضور انہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں"۔

بادشاہ نے کہا۔ "اگر تم نے اس مصیبت سے مُجھ کو نجات دلوادی۔ تو تم جو درخواست کروگے۔ میں اُسے پورا کروں گا"۔

یہ سُن کر چُوہوں کا بادشاہ نہایت ادب سے سلام بجالایا۔ اور پھر بہت جلدی بھاگتا ہؤا اپنی رعایا میں جا پہنچا۔

اگلے روز شام کو اُس نے اپنے ملک کے تمام جوان اور بہادر چُوہوں کو جمع کیا۔ تو وُہ لاکھوں کی تعداد میں آگئے۔ اُس نے ان کی فوج بنائی۔ اور اندھیرا ہوتے ہی ان کو ساتھ لے دریا کے کنارے کو چل کھڑا ہؤا۔ بادشاہ

Taj Tahir Foundation

نے وعدہ کے موافق وہاں چھڑیاں رکھوا دی تھیں۔ چوہوں کو جس طرح ہدایت ملی تھی۔ انہوں نے چھڑیوں کو اُٹھا کر دریا میں ڈالنا شروع کیا۔ اور ایک ایک چھڑی پر کئی کئی چوہے سوار ہو گئے۔ اور ان چھڑیوں کو آگے بڑھاتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا اُترے۔

رات ہو گئی تھی۔ اور دُشمن کے تمام سپاہی خیموں میں پڑے گہری نیند سو رہے تھے۔ بعض خیموں کے اندر تھے۔ اور بعض باہر پڑے تھے۔ اور ان کے ہتھیار ان کے قریب رکھے تھے۔ کہ ضرورت ہو۔ تو فوراً اُٹھا کر اُنہیں پہن لیں۔ چوہوں کے بادشاہ کا حکم ملتے ہی تمام چوہے فوراً اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ اور جو نقصان دُشمن کو پہنچا سکتے تھے۔ پہنچانے لگے۔

بعض نے کمان کی تانت کتر دی۔ بعض نے سپاہیوں کے گلے میں لٹکانے والے تھیلے چھلنی کر دئیے۔ بعض نے توپوں میں چلانے والی بتیاں ضائع کر دیں۔ بعض نے سپاہیوں کے کپڑے خراب کر ڈالے۔ غرض جس کسی چیز کو وہ برباد کر سکتے تھے۔ انہوں نے اُسے نہ چھوڑا۔ خیمے سامان غلہ اور اَور تمام چیزیں یا تو کتر کتر کر ستیا ناس کر ڈالیں۔ یا اِدھر اُدھر بکھیر کر ضائع کر دیں۔ اور دو تین گھنٹوں کے کام کے بعد پھر دریا کے کنارے جمع ہو گئے۔ اور چھڑیوں پر سوار ہو کر واپس آ گئے۔ دُشمن کو معلوم بھی نہ ہونے پایا۔ اور یہ اپنا کام کر کے اپنے اپنے گھر

بھی پہنچ گئے ۔

اگلے دن صبح کو دشمن کے سپاہی سو کر اُٹھے۔ تو ہر طرف ایک شور غل مچ گیا۔ جو شخص اُٹھتا اپنی عجیب حالت دیکھتا۔ کپڑے تار تار۔ کمان کی تانت غائب۔ بندوق کے لٹکانے کی پٹّی کتری ہوئی۔ بتّی ندارد۔ اور کھانے کے لئے خاک بھی نہیں۔ ہر ایک نے ایک دوسرے پر چوری اور دھوکے کا الزام لگانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں تمام فوج میں ایک قیامت مچ گئی۔ ایک دُوسرے سے لڑ رہا ہے۔ کوئی جھگڑ رہا ہے۔ کوئی گالی گلوج کر رہا ہے۔ اور کوئی دُوسرے پر بددیانتی اور بے ایمانی کے الزام لگا رہا ہے ۔

اُدھر والوں نے جو دیکھا۔ کہ دُشمن کی فوج میں ایسی گڑبڑ مچ رہی ہے۔ تو اُنھوں نے لڑائی کا بگل بجایا۔ اور کچھ فیر کر دئے۔ یہ لوگ گھبرائے۔ کہ ایسی حالت میں دُشمن آ پڑا۔ تو ایک بھی سلامت نہ بچے گا۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور ایک منٹ کے اندر اندر تمام میدان صاف ہو گیا ۔

جب بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو وُہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے اسی وقت چُوہوں کے بادشاہ کو بُلوا بھیجا۔ اور اس کا بہت شکریہ ادا کیا۔ ساتھ ہی اپنا وعدہ پُورا کیا۔ دریا کے کنارے ایک بہت مضبوط پُشتہ بنوایا۔ کہ طوفان کا پانی نہ بڑھ سکے۔ اور ایک فرمان جاری کر دیا۔ جس میں حکم تھا۔ کہ اگر مُلک کے اندر کسی شخص نے بلّی رکھی۔ تو وُہ جان سے مار ڈالا

جائے گا۔ اس کے بعد چوہے بہت خوشی اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے ۔

ادھر بادشاہ نے زیادہ اطمینان حاصل کرنے کے لئے اپنے دشمن بادشاہ کو کہلا بھیجا۔ کہ اس دفعہ تو تمہیں شکست دینے کے لئے میں صرف اپنے ملک کے چوہوں کو کام میں لایا ہوں۔ لیکن اگر اب کے تم نے حملے کا ارادہ کیا۔ تو میں تمام گھروں کے پالتو جانوروں کو تمہارے مقابلے میں کھڑا کر دوں گا۔ اور اگر پھر بھی تمہیں نصیحت نہ ہوئی۔ تو پھر جنگلی جانور تمہارے مقابلے میں آئیں گے۔ اور اگر تم پھر بھی نہ سمجھے۔ تو میں خود اپنے بہادر سپاہیوں کی مدد سے تمہاری خبر لوں گا ۔

جب دوسرے ملک کے بادشاہ نے یہ بات سنی۔ تو اس نے سوچا کہ صلح کر لینا ہی اچھا ہے۔ کیونکہ جس ملک کے چوہے اتنے ہمت والے اور چالاک ہیں۔ وہاں کے جنگلی جانور اور بہادر سپاہی تو معلوم نہیں کس بلا کے ہوں گے۔ اس کے بعد دونوں بادشاہوں میں صلح ہو گئی۔ اور وہ دوست بن کر رہنے لگے ۔

چوہوں کو اب طوفان اور بلیوں سے امن تھا۔ وہ ہنسی خوشی اور بے فکری سے رہتے تھے۔ اور ہر سال ملک کا بادشاہ غلے کی ایک کوٹھی ان کی مدد کے انعام میں انہیں دیا کرتا تھا ۔

Taj Tahir Foundation

ڈر کے مارے

بہت مدت کا ذکر ہے۔ کسی بادشاہ کے ہاں ایک مُلّا اور ایک حکیم نوکر تھے۔ حکیم بہت سمجھدار آدمی تھا۔ اُسے طرح طرح کی دواؤں اور جڑی بُوٹیوں کی تاثیر خوب معلوم تھی۔ اور تمام بیماریوں کے اَیسے ایسے نسخے یاد تھے۔ جنھیں استعمال کرتے ہی بیمار کو آرام ہو جاتا تھا۔ حکیم کی لیاقت کی وجہ سے بادشاہ اس کی بہت عزّت اور قدر کرتا اور اسے طرح طرح کے تحفے دیتا رہتا تھا۔ مُلّا اس بات سے بُہت جلتا۔ وہ چاہتا تھا۔ کسی طرح یہ حکیم مرجائے۔ پھر میرے مقابلے میں کوئی دُوسرا نہ رہے گا۔ اور بادشاہ میری عزّت کیا کرے گا۔

ایک دن دربار میں بادشاہ بیٹھا اپنے وزیروں امیروں سے ادھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا۔ مُلّا اور حکیم بھی وہیں موجود تھے۔ بادشاہ نے دو ایک دفعہ کہیں باتوں باتوں میں حکیم صاحب کی لیاقت کی جو تعریف کی۔ تو مُلّا کا دل جل گیا۔ اس نے بھرے دربار میں کہا:۔

"سب لوگ حکیم صاحب کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر ہمیں تو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ دواؤں اور بیماروں کے علاج کا جتنا حال انہیں معلوم ہے۔ ہر شخص جانتا ہے۔ میَں خود ان سے مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔

ایک دِن ہم دونوں کو اجازت دی جائے۔ کہ ہم اپنے اپنے تیار کئے ہوئے زہر ایک دُوسرے پر آزمائیں۔ پھر دیکھیں۔ دونوں میں سے کون زندہ بچتا ہے"۔

حکیم صاحب ہنس کر بولے۔ "مجھے منظور ہے۔ بلکہ مَیں خوشی سے آپ کو اجازت دیتا ہُوں۔ کہ پہلے آپ اپنا بنایا ہُوا زہر مجھے کھلائیں۔ اور اگر مَیں اسے کھا کر جیتا بچ گیا۔ تو پھر مَیں آپ کو اپنا تیار کیا ہُوا زہر کھلاؤں گا"۔

غرض یُوں ہی فیصلہ ہو گیا۔ اور مقابلے کے لئے ایک دن مقرر ہو گیا۔

مُلّا صاحب کی ایک دُوسرے حکیم سے بہت دوستی تھی۔ یہ دوڑے دوڑے اس کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا۔ "مَیں تمہیں بہت سا روپیہ دُوں گا۔ مجھے کوئی ایسا زہر دو۔ جسے زبان پر رکھتے ہی انسان مر جائے"۔

اُس نے ایک بہت تیز قسم کا زہر دِیا۔ اور ایک کُتّے پر زہر کے اثر کا تجربہ دکھایا۔ کُتّا زہر چکھتے ہی گِر کر مَر گیا۔ مُلّا صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور اُنہوں نے حکیم کو بہت سا روپیہ دِیا۔

اِدھر دربار کا حکیم ہر قسم کے زہر کے اثر سے خوب واقف تھا۔ اُسے بعض ایسی دوائیں معلوم تھیں۔ جنہیں کھا لینے سے تیز سے تیز زہر انسان پر اثر نہ کر سکتا تھا۔

Taj Tahir Foundation

جب مقابلے کا دن آیا۔ تو حکیم نے ایک اسی قسم کی دوا کھالی۔ اور بے فکری سے دربار میں چلا آیا ۔

دربار میں ملا صاحب نے زہر نکالا۔ اور حکیم صاحب کے سامنے پیش کیا۔ حکیم صاحب نے مُسکراتے ہوئے لے لیا۔ اور بے فکری سے کھا گئے۔ اب ملا صاحب تو بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ کہ حکیم صاحب اب گرے۔ کہ اب گرے۔ لیکن وہ ہیں کہ نہایت مزے میں کھڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں ۔

جب بہت دیر گذر گئی۔ تو مُلّا صاحب بہت سٹ پٹائے۔ حیران تھے۔ کہ یہ عجب بلا کا آدمی ہے۔ کہ تیز سے تیز زہر اس پر اثر نہ کرسکا ۔

کچھ دیر بعد حکیم صاحب نے کہا "لیجئے حضرت۔ آپ کے زہر نے تو کچھ اثر نہ کیا۔ اب میں اپنا بنایا ہُوا زہر آزماتا ہوں" ۔

یہ کہہ کر حکیم صاحب نے ایک بہت بڑا ڈبّہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اسے کھولا۔ تو اس میں سے ایک دُوسرا ڈبّا نکل آیا۔ دُوسرے کو کھولا۔ تو اس میں سے تیسرا ڈبّا نکلا۔ اسی طرح ایک دُوسرے کے اندر سے ہزار ڈبّے حکیم صاحب نے نکال کر میز پر رکھ دِئے۔ جتنے لوگ موجود تھے۔ بے انتہا حیران تھے۔ کہ دیکھئے۔ آخر میں کیا نکلتا ہے۔ مُلّا صاحب کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا ۔

آخر میں ایک ننھی سی ڈبیا نکلی۔ حکیم صاحب نے اسے کھولنے سے

پہلے سب سے کہا " اپنی اپنی ناک بند کر لیجیئے۔ ممکن ہے۔ اس ڈبیا میں سے تھوڑا سا دُھواں نکل آئے۔ اور اُڑ کر کسی کی ناک تک پہنچ جائے۔ اگر کسی نے اس کا دُھواں بھی سونگھ لیا۔ تو زندہ نہ بچے گا"۔

سب نے اپنی اپنی ناک بند کر لی۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ڈبیا کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر حکیم صاحب نے ڈبیا کا ڈھکنا کھول دیا۔

ڈبیا میں سے ذرا سا دُھواں بھی نہ نکلا۔ سب نے دیکھا۔ کہ اس میں مُربّے سے ملتی جُلتی سُنہری کوئی دوا ہے۔ حکیم صاحب نے یہ دوا مُلّا کی طرف بڑھا دی۔ اور کہا " لیجیئے اسے کھائیے"۔

ڈر کے مارے مُلّا کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ وُہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اور بھاگنا ہی چاہتا تھا۔ کہ دیکھا۔ بادشاہ اسے بہت تیز نظروں سے گھور رہا ہے۔ سمجھ گیا۔ کہ انکار کیا۔ تو زبردستی ہوگی۔ مجبوراً کانپتی ہوئی اُنگلیوں سے ڈبیا پکڑ کر تھوڑی سی دوا زبان پر رکھ لی۔ دوا زبان پر رکھنے کی دیر تھی۔ کہ اسی وقت مُلّا صاحب مر کر دھڑام سے زمین پر آ رہے۔

حکیم صاحب نے ڈبیا مُلّا کے ہاتھ سے لے کر بادشاہ کے سامنے پیش کی۔ اور کہا " اب حضور اس میں سے تھوڑی سی دوا کھا کر دیکھیں"۔

بادشاہ نے غصّے سے کہا " تم مجھے بھی زہر دینا چاہتے ہو؟"

یہ سُن کر حکیم نے باقی کی دوا خود کھا لی۔ اور ہنس کر کہنے لگا " حضور یہ زہر نہیں۔ مَیں تو اس ڈبیہ میں بہت مزے دار مربّہ بنا کر لایا تھا"۔

Taj Tahir Foundation

بادشاہ بہت حیران ہُوا۔ اور حکیم سے پُوچھنے لگا۔ "پھر یہ مُلّا مُربّہ کھا کر کیسے مرگیا؟"

حکیم نے جواب دیا۔ "صرف ڈر سے"۔

بادشاہ بولا۔ "مگر جب اُس نے تم کو زہر دیا تھا۔ تو تم نے اس کو کیوں زہر نہ دیا؟"

حکیم نے کہا۔ "جب صرف ڈرا کر اس کی جان لی جا سکتی تھی۔ تو پھر زہر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مَیں نے اس مُربّے کو ڈبّوں میں اس طرح بند کیا تھا۔ اور ایسی احتیاط سے ڈبّوں کو کھولا تھا۔ کہ مُلّا صاحب کے ہوش غائب ہوگئے تھے۔ اُنہوں بے انتہا تیز زہر سمجھ کر اس مربّے کو کھایا۔ اور ڈر کے مارے مرگئے"۔

ہوشیار گیدڑ

ایک شیر اور ایک گیدڑ میں بہت دوستی تھی۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ سیر شکار سب اکٹھا تھا۔ لیکن گیدڑ بہت ہوشیار تھا۔ سمجھتا تھا۔ کہ اس دوستی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی روز شیر بگڑ بیٹھا۔ تو پھر جان کی خیر نہیں ہے۔

گیدڑ نے بُرے وقت کے ڈر سے اپنے اور اپنے بیوی بچّوں کے لئے ایک بہت اُونچی چٹان پر مکان بنا لیا۔ اس چٹان پر چڑھنا بے حد مشکل تھا۔ گیدڑ جب باہر سے پھر پھرا کر آتا۔ تو اس کی بیوی اُوپر سے ایک رسّی لٹکا دیا کرتی۔ اور وہ اس کے سہارے اُوپر چڑھ جایا کرتا تھا۔

کچھ عرصے بعد شیر اور گیدڑ میں بگڑنی شروع ہوئی۔ شیر۔ جو شکار کرتا۔ اس میں سے تمام اچھا اچھا حصّہ تو خود لے لیتا۔ اور بُرا بُرا گیدڑ کے لئے چھوڑ دیتا تھا۔ گیدڑ کو یہ بات بُری معلوم ہوئی۔ وہ دل میں کہتا۔ شکار کو ڈھونڈنا اور باتوں میں لگا کر شیر تک لانا میرا کام ہے۔ شیر صرف اُٹھ کر شکار کو مار ڈالتا ہے۔ پھر وہ کیوں زیادہ اور اچھا حصّہ لے؟ آخر گیدڑ نے ارادہ کیا۔ کہ یا تو اپنا پُورا حق لُوں گا۔ یا پھر شیر سے بگڑتی ہے تو بگڑ جائے۔

ایک روز دونوں نے مل کر ایک مزے دار شکار کیا۔ شکار کرنے کے بعد شیر بولا۔" اس کا اچھا اچھا حصّہ لے جا کر میرے بھٹ میں رکھ آؤ۔ اور پھر واپس آکر ہڈیاں وغیرہ خود لے لینا۔"

گیدڑ نے کیا کیا۔ کہ سارے کا سارا شکار گھر لے گیا۔ اور اپنے بال بچّوں کے ساتھ بیٹھ کر مزے سے کھایا۔ ادھر شیر بھٹ میں پہنچا۔ تو دیکھا شکار نہیں۔ غُصّے میں گرجتا ہُوا گیدڑ کے گھر پہنچا۔ اور چٹان کے نیچے کھڑا

Taj Tahir Foundation

ہو کر بولا :-

" بھائی ذرا رسّی نیچے پھینک دو۔ میں اوپر آنا چاہتا ہوں۔ کچھ باتیں کرنی ہیں "

گیدڑ سمجھ گیا۔ شیر کو کیا باتیں کرنی ہیں۔ گیدڑ کے بیوی بچّے ڈر کے مارے رونے لگے۔ لیکن گیدڑ نے سب کو تسلّی دی۔ اور پھر سر باہر نکال کر شیر سے کہا۔" اچھی بات ہے۔ میں رسّی لٹکاتا ہوں "

یہ کہہ کر گیدڑ نے رسّی کو بیچ میں سے کُتر کُتر کر کمزور کر دیا۔ اور پھر اُسے نیچے لٹکا دیا۔ شیر رسّی پکڑ کر سمجھا۔ کہ اب تو اوپر پہنچنے میں کچھ شبہ ہی نہیں

بولا " بدمعاش دیکھ۔ اب تُجھے چوری کا مزہ چکھاتا ہوں "

یہ کہہ کر شیر نے رسّی کے سہارے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ مگر آدھے راستے ہی میں پہنچا تھا۔ کہ رسی ٹوٹ گئی۔ اور شیر نیچے گر کر مر گیا ۔

کُمہار کے جانور

کوئی غریب کمہار شہر سے باہر ایک چھوٹے سے مکان میں اکیلا رہا کرتا تھا۔ بیوی بچّہ کوئی تھا نہیں۔ اُس نے ایک گدھا۔ ایک کُتا۔

ایک بلّی اور دو بطخیں پال رکھی تھیں۔ جو کچھ کماتا۔ خود کھاتا۔ اور ان جانوروں کو کھلا دیتا۔ فرصت کے وقت میں ان جانوروں ہی سے باتیں کرتا۔ اور کھیلتا۔ جانور بھی اس سے خوب ہِل گئے تھے۔

ایک روز کمہار سودا سلف لینے شہر گیا۔ تو اسے واپس آنے میں بہت دیر لگی۔ جنگل میں کچھ ڈاکو رہتے تھے۔ جو آنے جانے والوں کو لوٹ لیا کرتے۔ اور کبھی آس پاس کسی گاؤں میں جا کر کسانوں کے مکانوں اور غلّے خانوں پر بھی چھاپا مارا کرتے تھے۔ کمہار کے پیچھے وہ اس کے مکان میں گھس گئے۔ جو کچھ ہاتھ لگا قبضہ میں کیا۔ اور مکان میں آگ لگا کر بھاگ گئے۔

کمہار بے چارہ شہر سے واپس آیا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ مکان راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے۔ اور جانور مکان سے باہر چپ چاپ کھڑے ہیں۔ بیٹھ کر رونے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دل پر جبر کر کے اُٹھا۔ اور جانوروں کے پاس گیا۔ اُن کو پیار کیا۔ اور کہا۔ تم دیکھتے ہو۔ ڈاکو مجھے برباد کر گئے ہیں۔ سر چھپانے کو ٹھکانا نہیں رہا۔ پیٹ میں ڈالنے کو روٹی کا ٹکڑا موجود نہیں پھر تمہیں کہاں رکھوں اور کہاں سے کھلاؤں۔ میں تو یُوں ہی بھوکا پیاسا کسی درخت کے نیچے پڑا رہوں گا۔ بے زبانوں کا صبر اپنے سر پر کیوں لُوں۔ تم اب جاؤ۔ اِدھر اُدھر کھانے کو کچھ مل جائے۔ تو اس سے پیٹ

بھرو۔ جب اپنی حالت سدھار لُوں گا۔ تو پھر تمہیں بھی اپنے پاس لا رکھوں گا"۔

جانور اپنے مالک کی مصیبت پر بہت غمگین ہو رہے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ دُکھ درد میں بھی اس کا ساتھ دیں۔ لیکن جب کُمہار نے ان کو مجبور کیا۔ تو وہ خوراک اور ٹھکانے کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔

جنگل میں پھرتے پھراتے وہ اتفاق سے اُن ہی ڈاکوؤں کے مکان پر جا پہنچے۔ جنہوں نے کمہار کے گھر کو لوٹا تھا۔ ڈاکو مکان میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور ایک طاق میں چراغ جل رہا تھا۔ مکان میں روشنی دیکھ کر بلّی اندر گھس گئی۔ اور ذرا دیر بعد واپس آکر کُتّے سے کہا۔

"ماموں بھوں بھوں۔ یہ تو اُن ہی ڈاکوؤں کا مکان ہے۔ جنہوں نے ہمارے مالک کو برباد کیا ہے۔ اور سب کے سب ڈاکو اس وقت اندر موجود ہیں"۔

گدھے میاں نے کہا " یہ تو خوب ہوُا۔ چلو سب کے سب مل کر ان پر جا پڑیں۔ اور ان سے اپنے مالک کا بدلہ لیں"۔

کُتا بولا " یار تم بھی بڑے احمق ہی ہو۔ وہ بھلا ہمارے قابو میں آنے والے ہیں؟ اُن کے پاس چھُریاں اور تلواریں ہیں۔ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے"۔

بطخوں نے پُوچھا " پھر کیا کیا جائے"؟

کُتا سوچ کر بولا:-

"اس جنگل میں رات بسر کرنے کو اَور کہیں ٹھکانا نہ ملے گا۔ کھانے پینے کا سامان بھی مکان میں موجود ہے۔ اور پھر ان ڈاکوؤں سے اپنا بدلہ بھی لینا ہے۔ آؤ مل کر شور مچائیں۔ اور ان ڈاکوؤں کو ڈرا کر یہاں سے بھگا دیں"۔

یہ مشورہ کر کے تمام جانور مکان کے قریب ایک جھاڑی میں چھپ گئے۔ اور انہوں نے اکٹھے مل کر پورے زور سے شور مچانا شروع کیا۔ گدھے نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ڈھینچوں ڈھینچوں کی۔ کُتے نے بھوں بھوں۔ بلّی نے میاؤں میاؤں اور بطخوں نے قیں قیں کرنی شروع کی۔ اس بلا کا شور مچایا۔ کہ آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اور پھر سب جانوروں کے مل کر بولنے سے بہت خوف ناک آواز نکلتی تھی۔ اور معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ کہ آواز کیسے پیدا ہو رہی ہے۔

ڈاکوؤں نے جو مکان میں آواز سُنی۔ تو گھبرا گئے۔ کہ یہ کیا قیامت آئی۔ اتنے میں کُتے نے ایک بطخ سے کہا۔ "بُوا تم اُڑ کر کھڑکی کے راستے اندر جاؤ۔ اور چراغ گُل کر دو"۔ بطخ جھٹ سے اُڑی۔ اور کھڑکی میں سے اندر گھُس چراغ گل کر دیا۔ اب تو اندھیرے میں ڈاکوؤں کے حواس غائب ہو گئے۔ اور وُہ سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ مُڑ کر نہ دیکھا۔

ڈاکوؤں کے جانے کے بعد جانور خوشی خوشی اندر گھُسے۔ پیٹ بھر کر

کھانا کھایا۔ اور پھر آرام کی سُوجھی۔ گدھا دروازے کے قریب پڑا رہا۔ کُتّا چارپائی کے نیچے۔ بلی چارپائی کے اوپر۔ اور بطخیں کواڑوں پر جا ڈٹیں ۞

ڈاکوؤں نے بہت دُور جاکر دم لیا۔ اور سوچنا شروع کیا۔ کہ یہ کیا آفت آئی تھی؟ ڈاکوؤں کے سردار نے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہا۔ کہ تم ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ معلوم بھی نہ کیا۔ کہ معاملہ کیا ہے۔ چلو واپس چلیں ۞

اَور کوئی ڈاکو تو واپس چلنے پر تیار نہ ہُوا۔ سردار اکیلا ہی ہمت کرکے جھونپڑی کی طرف چل کھڑا ہُوا ۞

لیکن سردار کا جھونپڑی میں داخل ہونا تھا۔ کہ جانور کھڑکے سے جاگ اُٹھے۔ کُتّے نے اُٹھ کر اس کی ٹانگ لی۔ بلی نے چارپائی پر سے اُچھل کر مُنہ نوچ لیا۔ بطخیں سر کے گرد پھڑپھڑانے لگیں۔ اور سردار ڈر کر دروازے تک واپس پہنچا تھا۔ کہ گدھے نے ایک دولتی ایسی رسید کی۔ کہ سردار صاحب قلابازیاں کھاتے ہوئے جھونپڑی سے گز دل دُور ایک کانٹے دار جھاڑی میں جا پڑے ۞

ڈاکوؤں کا سردار اُٹھ کر ہوا ہوگیا۔ اور ہانپتا کانپتا اپنے ساتھیوں کے پاس جا پہنچا۔ اُن سے کہا "دوستو۔ اب یہ مکان اور اس میں ہمارا جو کچھ روپیہ پیسہ موجود ہے۔ غارت ہُوا۔ اس مکان پر اَور بہت سے ڈاکوؤں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ایک نے میری ٹانگ پر وار کیا۔ دوسرے

Taj Tahir Foundation

نے چھرا میرے مُنہ پر مارا۔ تیسرے نے کپڑے سے میرا مُنہ باندھنا چاہا۔ اور مَیں باہر آرہا تھا۔ تو کسی نے اس زور سے میرے ایک ہتھوڑا مارا۔ کہ مَیں جھونپڑی سے باہر آپڑا ۔

ساتھیوں نے کہا۔"بس اب یہاں سے چُپکے ہی رُخصت ہوجانا اچھا ہے"۔

یہ سوچ کر سب ڈاکو اس جنگل سے چل دیئے۔ اور اُنھوں نے پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کیا ۔

صبح کو کُتّے نے دیکھا۔ کہ مکان میں ایک جگہ زمین نرم نرم معلوم ہو رہی ہے۔ اس نے کھودا۔ تو اس میں سے روپوں اور اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی نکلی! گدھے نے تھیلی اپنی پیٹھ پر رکھ لی۔ اور کُتّے بلّی اور بطخوں سمیت بڑی شان سے کمہار کی تلاش میں روانہ ہوُا ۔

کُمہار اپنے جلے ہوئے مکان کے سامنے غمگین بیٹھا تھا۔ کہ جانور اُس کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ کمہار نے گدھے کی پیٹھ پر تھیلی دیکھی۔ تو اُس کو کھولا۔ اور روپے اور اشرفیوں سے بھرا ہوُا پایا۔ خوشی کے مارے رو رو کر اپنے جانوروں کو پیار کرنے لگا ۔

کمہار نے تھیلی کے روپوں سے نئے سرے سے مکان بنوایا۔ اور اپنے وفادار جانوروں کے ساتھ اس میں ہنسی خوشی رہنے لگا ۔

Taj Tahir Foundation

دو ہمسائے

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کسی گاؤں میں دو آدمی ساتھ ساتھ کے مکان میں رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت امیر تھا۔ اور دوسرے کو کھانے کے لئے بھی ٹھیک سے نہ جڑتا تھا۔ امیر آدمی کا نام محمود تھا۔ جو بہت مغرور۔ شیخی خورہ اور ظالم تھا۔ غریب کا نام عابد تھا۔ وہ بہت رحم دل اور نیک طبیعت تھا۔ جتنا ممکن ہو سکتا تھا۔ سخاوت بھی کیا کرتا

اتفاق سے ایک چڑے چڑیا نے عابد کے مکان کے دروازے میں اپنا گھونسلا بنایا۔ تھوڑے ہی دنوں میں انڈوں میں سے اُن کے ننھے ننھے بچے نکل آئے۔ بچے ابھی اُڑنا نہ سیکھے تھے۔ کہ ان کے ماں باپ جو ایک روز چوگا لانے کے لئے گئے۔ تو ایک بچہ گھونسلے میں سے لڑھک کر نیچے گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد عابد گھر آیا۔ تو اُس نے دروازے میں چڑیا کا بچہ پڑا ہوا دیکھا۔ اس بچارے سے اُڑا تو جاتا نہ تھا۔ نیچے ہی پڑا ہوا تڑپ رہا تھا۔ عابد نے اُسے اُٹھا کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ عابد اسے اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ بہت احتیاط سے اس کی مرہم پٹی کی۔ اور پھر سیڑھی لگا کر اُسے

Taj Tahir Foundation

گھونسلے میں بٹھا دِیا ۔

یہ چڑیا اصل میں ایک پری تھی ۔ جب اس کے بچّے بڑے ہوئے تو جس بچّے نے عابد کی مدد کی تھی ۔ وُہ اُڑا اور اپنی چونچ میں کُچھ بیج کہیں سے لے آیا ۔ عابد گھر میں بیٹھا ہوُا تھا ۔ کہ چڑیا کا بچّہ اُڑ کر اُس کی گود میں آ بیٹھا ۔ اور بولا "تم نے بچپن میں مجُھ پر جو مہربانی کی تھی ۔ اس کے بدلے میں میَں تم کو یہ بیج دیتا ہُوں ۔ اس کو اپنے گھر میں بو دو ۔ اور پھر اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھو" یہ کہہ کر اور دانے اس کی گود میں ڈال کر چڑیا کا بچّہ اُڑ گیا ۔

عابد چڑیا کے بچّے کی باتیں سُن کر بہت حیران ہوُا ۔ اُس نے دِل میں سوچا ۔ اگرچہ یہ تُحفہ قیمتی نہیں ۔ لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے ۔ کہ چڑیا جیسے حقیر پرندے سے مہربانی کی جائے ۔ تو وہ بھی مہربانی کرنے والے کا احسان مانتا ہے ۔ خیر لاؤ ۔ جس طرح اُس نے اِن کے بونے کو کہا تھا ۔ انہیں بو ڈالو ۔

اُس نے اِن بیجوں کو اپنے گھر کے اندر زمین میں بو دیا ۔ تھوڑے دنوں بعد اِس بات کو بھُول بھال بھی گیا ۔

ایک یا دو مہینوں کے بعد بیج پھوٹا ۔ اور اس میں سے ایک خُوبصورت پودا نکل آیا ۔ جو خوب پھلا پھُولا ۔ ایک دن عابد اس پودے کے پاس سے گذر رہا تھا ۔ تو کیا دیکھتا ہے ۔ کہ بجائے پھُولوں کے اس پودے

Taj Tahir Foundation

میں بہت قیمتی ہیرے لگ رہے ہیں۔ اب تو عابد کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اُس نے تمام ہیروں کو توڑ لیا۔ اور ان کو لے کر ایک ساتھ کے شہر میں پہنچا۔ وہاں بڑی بھاری قیمت پر اُن کو بیچا۔ اور پھر بہت سا روپیہ حاصل کر کے بہت آرام اور مزے میں زندگی بسر کرنے لگا۔

تھوڑے دنوں بعد عابد کے امیر ہمسائے محمود نے جو دیکھا۔ کہ عابد کے اب تو رنگ ہی کچھ اَور ہیں۔ تو وُہ بہت حیران ہُوا۔ اُس نے اپنے دل میں سوچا۔ کہ کسی طرح معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ عابد کو اتنی دولت کہاں سے ہاتھ آئی۔ امیر آدمی نے اس سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں بے تکلف ہو گیا۔ آخر ایک دن عابد سے پُوچھا۔ "بھئی یہ روپیہ آخر تم کو کہاں سے ملا ہے؟"

عابد بہت سیدھا سادا آدمی تھا۔ اُس نے شروع سے لے کر آخر تک چڑیا کے بچے کے گرنے اُس کے بیج لانے۔ اور ہیروں کے پیدا ہونے کا حال کہہ سُنایا۔ امیر آدمی نے جو یہ حال سُنا۔ تو وہ اپنے گھر آ گیا۔ اور دل میں سوچنے لگا۔ عابد تو خوب مزے میں رہا۔ ہمیں بھی کوئی ایسی ہی ترکیب کرنی چاہیئے۔ کہ کہیں سے دولت ہاتھ آئے۔

اتفاق کی بات کہ محمود کے گھر کے دروازے میں بھی ایک چڑیا کا گھونسلا تھا۔ اور اس نے وہاں انڈے بچے دے رکھے تھے۔

محمود نے سوچا۔ کہ اب ہمیں بھی اس چڑیا پر احسان کر کے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ صبر بھلا آپ سے کہاں ہوتا تھا۔ کہ کوئی احسان کرنے کا موقع آنے دیتے۔ اگلے روز ہی آپ نے کیا کیا۔ کہ صُبح صُبح سیڑھی لگا کر گھونسلے پر چڑھ گئے۔ اور چڑیا کے ایک بچّے کو گھونسلے سے نکال کر نیچے پھینک دیا۔ گر کر بچارے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پھر آپ نے نیچے اُتر کر اُسے اُٹھایا۔ اُس کی مرہم پٹی کی۔ اور واپس گھونسلے میں رکھ دیا۔ دِل میں سوچا۔ اب یہ چڑیا کا بچّہ ہماری مہربانی یاد رکھے گا۔ اور ہمیں بھی تحفے میں بیج لا کر دے گا ؎

آخر یُوں ہی ہُوا۔ جب بچّہ بڑا ہُوا۔ تو ایک روز گھونسلے سے اُڑا۔ اور کہیں سے کُچھ بیج لے آیا۔ وہ اُس نے محمود کے سامنے زمین پر بکھیر دِئے۔ اور تھوڑی دیر چڑ چڑ کرنے کے بعد بولا :-

"تم نے مجھ سے مہربانی کا جو سلوک کیا تھا۔ اُس کے بدلے میں یہ بیج تم کو دیتا ہُوں۔ ان کو زمین میں بو دو۔ اور تماشہ دیکھو"۔

یہ سُن کر محمود کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اُس نے اپنے دِل میں سوچا۔ کہ ہم بھی اپنے ہمسائے کی طرح ہیروں سے مالا مال ہو جائیں گے ؎

باغ میں بڑی احتیاط سے ایک کیاری بنائی۔ اور اُس میں بیج بکھیر دِئے۔ ہر روز باغ میں جا کر آپ دیکھا کرتے۔ کہ بیج پھوٹ گئے

Taj Tahir Foundation

یا نہیں ۔

آخر بیج پھوٹے اور پودا جلدی جلدی بڑھنے لگا۔ ایک دن صبح کو جو محمود اپنے دستور کے مطابق پودے کو دیکھنے گیا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ بجائے ہیروں کے کیاری میں ایک بہت خوف ناک آدمی کھڑا ہے۔ اور اُس نے بغل میں بہت سے کاغذ دبا رکھے ہیں۔ محمود اس عجیب آدمی کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اور پوچھنے لگا ''تم کون ہو؟''

اُس نے جواب دیا۔ کہ تمہارے باپ دادا میرے قرض دار تھے۔ اور اُن پر میرا بہت سا روپیہ نکلتا تھا۔ اب میں اپنے تمام کاغذ وغیرہ لے کر آیا ہوں۔ کہ تمہارے باپ دادا کی جگہ اپنا روپیہ تم سے وصول کروں ۔

یہ کہہ کر اس عجیب آدمی نے محمود کے گھر پر۔ اس کی زمینوں پر اُس کے جانوروں پر اور تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ اور سب کچھ چھین کر لالچی محمود کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا ۔

Taj Tahir Foundation

بِلّی اور چُوہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ کسی کھیت میں ایک بِلّی رہتی تھی۔ اس کے ہمسائے میں بہت سے چُوہے بھی بستے تھے۔ کئی برس بلی بڑی آسانی سے چُوہوں کا شکار کرتی رہی۔ جتنی بھُوک ہوتی۔ اس سے زیادہ چُوہے پکڑ لیتی۔ کھاتی۔ اور خوب مزے سے زندگی بسر کرتی۔ مگر جُوں جُوں زمانہ گذرتا گیا۔ بلّی بوڑھی اور کمزور ہوتی گئی۔ اب اس سے پہلے کی طرح آسانی اور پھُرتی سے چُوہے نہ پکڑے جاتے۔ اکثر ایک آدھ وقت کا فاقہ بھی ہو جاتا۔

بلّی نے سوچا۔ اس طرح تو گذارہ نہ ہوگا۔ اب کوئی تدبیر کرنی چاہیئے جس سے ہاتھ پیر بھی نہ ہلانے پڑیں۔ اور پیٹ کی گُذر بھی ہوتی رہے۔ آخر سوچ سوچ کر اُس نے یہ تدبیر نکالی۔ کہ تمام چُوہوں کو بلا کر جمع کیا۔ اور اس بات کا وعدہ کر کے کہ مَیں تم کو ہاتھ نہ لگاؤں گی۔ یُوں تقریر کرنی شروع کی:۔

" پیارے بھانجو! آج مَیں نے تم کو اِس لئے بُلایا ہے۔ کہ تم سے ایک بات کہوں۔ سچ یہ ہے۔ کہ مَیں نے اپنی تمام زندگی بُرائیوں اور گناہوں میں گذار دی ہے۔ اب بُڑھاپے میں مُجھ کو افسوس ہوتا ہے۔

Taj Tahir Foundation

کہ میں نے تمہاری قوم کو اتنا دُکھ اور صدمہ کیوں پہنچایا۔ اب آئندہ میں ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہُوں۔ میرا ارادہ ہے۔ کہ اب کبھی تم کو کسی طرح کا دُکھ نہ دُوں۔ اور اپنے باقی دن خدا کی عبادت اور دین دھرم میں گذار دُوں۔ سو آج سے تم کو آزادی ہے۔ کہ بے خوف ہو کر جہاں چاہو۔ آؤ جاؤ۔ کھیلو کُودو۔ بس میں تم سے صرف اتنا چاہتی ہُوں۔ کہ تم ہر روز دن میں دو دفعہ میرے سامنے قطار باندھ کر باری باری گذرا کرو۔ اور تم میں سے ہر ایک میری اس مہربانی کے شکرانے میں مجھے سلام کرتا جایا کرے"۔

جب چوہوں نے یہ بات سُنی۔ تو اُن کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اُنہوں نے سوچا۔ کہ اب ہمیں اپنی پُرانی دشمن بلّی سے کسی قسم کا کھٹکا نہ رہے گا۔ اور ہم آزادی سے جہاں چاہیں گے۔ آئیں جائیں گے۔

اُنہوں نے بلّی کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور یہ مان لیا۔ کہ ہم روز دن میں دو دفعہ قطار باندھ کر تمہارے سامنے سے گذرا کریں گے۔ اور تمہیں سلام کیا کریں گے۔

جب شام ہوئی۔ تو بلّی بی ایک کوٹھڑی کے دروازے میں قالین بچھا کر اس پر بیٹھ گئیں۔ اور چوہوں نے اُن کے سامنے سے قطار میں ایک ایک کر کے گذرنا شروع کیا۔ ہر چوہا باری باری سے

سامنے آتا۔ نہایت ادب سے جُھک کر بلّی کو سلام کرتا۔ اور گذر جاتا ؂

چالاک بوڑھی بلّی نے جو چوہوں کو یُوں کرنے کو کہا تھا۔ تو اس میں اپنا مطلب نکالنے کی ترکیب سوچ لی تھی۔ جب اُس کے سامنے سے تمام چوہوں کا جلوس گذر چکا۔ اور آخری چُوہیا نے آکر سلام کیا۔ تو اُس نے جھٹ لپک کر اسے اپنے پنجوں میں پکڑ لیا۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہونے پایا۔ کہ کیا بات ہوئی۔ بلّی نے فرصت کے وقت آرام سے بیٹھ کر چُوہیا کا ناشتہ کیا ؂

بس اسی طرح ہر روز دن میں دو دفعہ بلّی چُپکے سے جلوس کے آخری چُوہے کو پکڑ لیا کرتی۔ اور اُسے شکار کرنے میں دوڑنے بھاگنے کی تکلیف نہ کرنی پڑتی۔ اور جو چُوہے آگے گذر جاتے تھے۔ اُن کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔ کہ بلّی کیسے چُپ چُپاتے آخری چُوہے کو اُڑا لے جاتی ہے ؂

اتفاق سے چُوہوں میں دو بڑے پکّے دوست تھے۔ ایک کا نام رمبی تھا۔ اور دُوسرے کا نام امبی۔ ان دونوں کو ایک دُوسرے سے بہت محبت تھی۔ یہ اَور چُوہوں کی نسبت تھے بھی ہوشیار اور چالاک۔ کُچھ عرصے کے بعد اُن کو ایسا معلوم ہؤا۔ جیسے چُوہے دِن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اُنہوں نے اپنے

Taj Tahir Foundation

ساتھیوں کی پڑتال کرنی شروع کی۔ تو بہت سے غائب! وہ سوچنے لگے" بلی نے تو وعدہ کرلیا ہے۔ کہ اب چُوہے نہ کھاؤں گی۔ تو پھر یا اللہ ان سب کو زمین کھا گئی۔ یا آسمان نگل گیا"۔

یہ دونوں تاڑ گئے۔ کہ بلّی کے اس سلام کرانے میں ضرور کوئی اس کی چال ہے۔ آخر اُنھوں نے آپس میں کھُسر پھُسر کرکے ایک ترکیب سوچی۔ اور یہ فیصلہ کیا۔ کہ رمبی تو چُوہوں کی قطار میں سب سے آگے رہے۔ اور امبی سب سے آخر کا نمبر لے۔ جب تک قطار بلّی کے سامنے سے گذرتی رہی۔ رمبی آواز دے دے کر امبی کو بُلاتا رہے۔ اور امبی اُونچی آواز میں رمبی کو جواب دیتا رہے۔

بس اگلے روز جو چُوہوں کی قطار تیار ہوئی۔ تو رمبی سب کے آگے آگے تھا۔ اور امبی سب کے آخر میں۔ جب رمبی بلّی کو سلام کرکے گذر گیا۔ تو اُس نے بہت دُور سے چلّا کر کہا!

" بھیّا امبی۔ تم کہاں ہو"؟

قطار کے آخر میں سے امبی نے چیخ کر جواب دیا" بھائی رمبی میں یہاں ہُوں"۔

گھڑی گھڑی اسی طرح دونوں چُوہے ایک دُوسرے کو پُکارتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام قطار بلّی کے سامنے سے گذر گئی۔ اور بلّی کو جُرأت نہ پڑی۔ کہ امبی کو ہاتھ لگائے۔ اُس نے سوچا۔ میں نے امبی

کو پکڑا۔ اور ادھر سے رمبی کی آوازوں کا جواب بند ہُوا۔ تو چُوہے میری چال کو سمجھ جائیں گے۔

اس روز شام کو خالی ہاتھ جانے پر خالہ بلّی دل ہی دل میں بہت بگڑیں۔ اور تمام رات بھُوک سے بے چین ہوکر کروٹیں لیتی رہیں۔ لیکن اُنھوں نے اپنے دل میں سوچا۔ کہ اتّفاق کی بات تھی۔ جو آج ان دونوں دوستوں میں سے ایک قطار کے آگے آگے اور دُوسرا پیچھے تھا۔ کل یہ بات تھوڑا ہی ہوگی۔ صبح کو کوئی اچھا موٹا سا شکار مل جائے گا۔ تو آج کی کسر بھی نکل جائے گی۔ غرض اس طرح وہ اپنے دِل کو تسلّی دیتی رہیں۔

لیکن اگلے دِن صُبح کو جو بلّی نے دیکھا۔ کہ پھر وہی سلسلہ جاری ہے۔ رمبی امبی کو پُکارتا ہے۔ اور امبی رمبی کو جواب دیتا ہے۔ تو خالہ بلّی کے غُصّے اور پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ مگر کرتیں کیا؟ اس وقت بھی تمام چُوہوں کی قطار گذر گئی۔ اور وہ بھُوکی کی بھُوکی رہیں۔ بلّی نے اپنا غصّہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور ارادہ کیا۔ کہ آؤ شام کو اَور آزمائش کر لوُں۔ دیکھوں اب کی بار کیا ہوتا ہے۔ شام کو آپ روز کی طرح کوٹھڑی کے دروازے میں قالین بچھا کر بیٹھ گئیں۔ اور چُوہوں کے آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

اس عرصے میں رمبی اور امبی نے دیکھا۔ تو اب چُوہوں میں

کوئی کمی نہ آئی تھی۔ انہیں یقین ہو گیا۔ کہ یہ ضرور بلّی ہی کی کوئی چال تھی۔ جو ہمارے ساتھی غائب ہوتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے اب تمام چوہوں کو بلّی کی اس بدمعاشی سے خبردار کر دیا۔ اور تاکید کر دی۔ کہ قطار میں گذرتے وقت بہت ہوشیار رہا کریں۔ ٹھیک اپنے وقت پر چُوہوں کی قطار بلّی کو سلام کرنے کے لئے روانہ ہوئی۔ رمبی کا بلّی کے آگے گذرنا تھا۔ کہ اُس نے آواز دی!

"بھائی امبی تم کہاں ہو؟"

قطار کے آخر سے تیز آواز میں امبی بولا "بھائی رمبی میں یہاں ہُوں"۔

اب تو بلّی سے برداشت نہ ہو سکا۔ تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ بھناکر چُوہوں کی قطار پر جھپٹ پڑی۔ چُوہوں کو تو امبی اور رمبی نے پہلے ہی سے خبردار کر دِیا تھا۔ بلّی کے اُچھلتے ہی وہ سب کے سب اِدھر اُدھر اپنے بلوں میں گھُس گئے۔ بلّی بچاری ایک چوُہے پر بھی وار نہ کرنے پائی تھی۔ کہ تمام کوٹھڑی خالی ہو گئی۔ اور ایک چُوہا بھی باقی نہ بچا۔

اس واقعہ کے بعد چُوہوں کو نصیحت ہو گئی۔ کہ اب پھر دھوکے باز خالہ کی بات کا اعتبار نہ کریں گے۔ بُڑھیا خالہ بلّی سے مِل جُل کر بھلا چُوہوں کا شکار کہاں ہوتا تھا۔ وہ چند دنوں میں فاقے کر کر کے مر گئیں۔ رمبی

اور امبی مدّت تک زندہ رہے۔ اور برادری کے چُوہے ان دونوں دوستوں کی بہت قدر اور عزّت کرتے رہے۔

شیر اور گیدڑ

ایک دفعہ اس غضب کی گرمی پڑی۔ کہ تمام ندی نالے سُوکھ گئے۔ اور جانوروں کے پینے کو کہیں پانی نہ رہا۔ جانور پانی کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ کہ انہیں ایک چشمہ ملا۔ لیکن اس میں سے بہت تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا تھا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ چشمہ کا مُنہ بہت تنگ تھا۔ اور اُسے اَور کھودنے کی ضرورت تھی۔

شیر بولا "بھئی آؤ سب مل کر اس کو کھودیں۔ اور سُوراخ کو بڑا بنالیں۔ تاکہ سب کو آرام سے پانی ملا کرے"۔

گیدڑ بہت سُست تھا۔ اُس نے اَور جانوروں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اور چلا گیا۔ جب چشمہ کُھد چُکا۔ تو سب جانوروں نے کہا "دیکھو۔ اس گیدڑ نے کام سے کیسی جان چُرائی۔ اب ہم کو بھی چاہیئے۔ کہ خوب اچھی طرح چشمے کی حفاظت کریں۔ اور گیدڑ کو ایک بُوند پانی نہ لینے دیں۔

شیر نے گرج کر کہا۔" میں چشمے کی حفاظت کروں گا۔ اور اگر اس بد معاش نے پانی پینے کی کوشش کی۔ تو کچے ہی کو چبا جاؤں گا"۔

کچھ عرصے بعد میاں گیدڑ پہنچے۔ اُچھلتے کودتے چشمے کے کنارے شیر بھی تاڑ گیا۔ کہ گیدڑ آ رہا ہے۔ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ مگر گیدڑ نے پانی پینے کی کوشش نہ کی۔ شیر سے کچھ دُور ہٹ کر بیٹھ رہا۔ اور ایک تھیلے میں سے شہد کی مکھیوں کے چھتے کا ایک ٹکڑا نکال لیا۔

شہد چاٹتے چاٹتے بولے۔" بادشاہ سلامت آپ مجھے گھور کیوں رہے ہیں؟ میں پانی پینے تو نہیں آیا۔ مجھے تو پیاس لگ ہی نہیں رہی۔ اس میٹھے میٹھے شہد کے ہوتے بھلا پانی کی کیا ضرورت؟"

شیر بولا" بھئی ذرا سا شہد ہمیں بھی چکھانا۔ دیکھیں تو کیسا مزا ہے؟"

گیدڑ نے ذرا سا شہد شیر کو دے دیا۔

شیر نے مزے لے لے کر شہد کھایا۔ اور پھر آنکھیں چمکا کر بولا۔ "ارے یہ تو اچھا مزے دار ہے۔ ذرا سا اَور دکھانا"۔

گیدڑ بولا" اگر اس کا پُورا پُورا مزا لینا ہے۔ تو پھر آپ لیٹ جائیے۔ اور مجھ کو اجازت دیجئے۔ کہ شہد آپ کے منہ میں ٹپکاؤں"۔

شیر فوراً لیٹ گیا۔ اور بولا "لاؤ شہد" اور پھر شہد پانے کی خوشی میں اپنے بھاری بھرکم ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔

گیدڑ بولا۔ یوں آپ نے ہاتھ پاؤں چلائے۔ تو میں سلامت نہ بچوں گا۔ یوں کریں۔ میں آپ کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ دیتا ہوں۔ کہ مجھے چوٹ لگنے کا ڈر نہ رہے۔ پھر اطمینان سے آپ پر سہارا لگا کر آپ کے منہ میں شہد ڈالتا رہوں گا۔ اور یوں تو آپ نے کہیں شہد کا مزہ لیتے ہوئے ایک لات مجھے جڑ دی۔ تو میری جان کی خیر نہیں"۔

شیر نے اجازت دے دی۔ اور گیدڑ نے ایک رسی لے کر شیر کے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ دیئے۔ پھر بجائے شہد کھلانے کے چشمے کے کنارے بھاگا۔ اور پیٹ بھر کر پانی پیا۔ پانی پی کر آپ ہنستے اور اچھلتے کودتے ہوئے گھر کو چل دیئے۔

شیر نے پکار کر کہا "ارے بھائی گیدڑ۔ ارے میاں گیدڑ۔ یوں تو بے بس بنا کر نہ جاؤ۔ اَور جانور دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ اگر تم صرف میرے ہاتھ پاؤں کھول دو۔ تو مجھ کو اپنی عزت کی قسم۔ تم جتنا پانی مانگو گے۔ تم کو دیا کروں گا"۔

گیدڑ نے کچھ دیر غور کیا۔ سوچا۔ کہ اگر میں نے شیر کے ہاتھ پاؤں نہ کھولے۔ تو کوئی اَور جانور کھول دے گا۔ اور پھر جانوروں کے بادشاہ

سے بَیر رکھ کر اس جنگل میں زندہ رہنا مشکل ہے۔ شیر میرے خُون کا پیاسا ہو جائے گا۔ اور میری جان لئے بغیر چین نہ لے گا۔ بہتر ہے۔ اس کی بات پر اعتبار کر کے اب اسے کھول دُوں ۔

چنانچہ گیدڑ نے شیر کے ہاتھ پاؤں کھول دِئیے۔ اور اسے کھانے کو شہد بھی دے دِیا۔ شیر نے بھی اپنی بات پوری کی۔ اور تمام جانوروں سے کہہ دِیا۔ کہ گیدڑ نے ہم سے معافی مانگ لی ہے۔ اب اس کو پانی پینے کی اجازت ہے ۔

تصویر بگاڑ دی

بعض امیر لوگ اپنے عالی شان مکانوں کی چھتوں پر خوش نمائی کے لئے بڑی اچھی اچھی تصویریں اور نقش و نگار بنوا لیتے ہیں۔ بہت برس گذرے۔ کسی امیر نے ایک مصوّر سے کہا "میرے محل کے بڑے کمرے کی چھت پر ایک خوبصورت تصویر بنا دو"۔

چھت بہت اُونچی تھی۔ چنانچہ مصوّر نے کھڑے ہو کر کام کرنے کے لئے ایک پاڑ باندھی۔ اور کام شروع کر دیا ۔

جب مصور تصویر کا کچھ حصّہ بنا کر ختم کر چکتا۔ تو کچھ دُور پیچھے ہٹ کر

تصویر کو دیکھتا۔ کہ فاصلے سے کیسی نظر آتی ہے۔ پیچھے ہٹتے وقت وہ اس بات کی بہت احتیاط کرتا تھا۔ کہ کہیں اتنا پیچھے نہ ہٹ جائے۔ کہ نیچے گر پڑے ۔

مصوّر نے اپنی مدد کے لئے ایک نوکر بھی رکھ لیا تھا۔ جو پاڑ پر اس کے ساتھ رہتا۔ اور اس کے لئے رنگ بناتا۔ اور بُرش درست کرتا تھا ۔

مصوّر بہت دنوں تک بڑی محنت سے کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تصویر بن کر تیار ہوگئی۔ تصویر بنانے کے بعد وہ پیچھے ہٹ کر اُسے دیکھنے لگا۔ نوکر تصویر کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اور اپنے مالک کو بھی دیکھتا جاتا تھا ۔

مصوّر پاڑ پر اِدھر اُدھر پھر کر ہر جگہ سے تصویر پر غور کر رہا تھا۔ کہ کیسی معلوم ہوتی ہے۔ تصویر پر اس کی نظریں گڑی ہوئی تھیں۔ اور اپنی کامیابی کے خیال سے اس کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی تھی۔ یک لخت وہ پیچھے کو ہٹنے لگا۔ کہ ذرا فاصلے سے دیکھے۔ تصویر کیسی نظر آتی ہے۔ نوکر کے دیکھتے دیکھتے مصوّر قریبًا پاڑ کے کنارے پر جا پہنچا۔ ایک قدم اَور پیچھے ہٹتا۔ تو وہ نیچے فرش پر جا پڑتا ۔

نوکر نے سوچا۔ اگر میں نے آواز دی۔ تو میرا مالک شاید گھبرا کر پیچھے کو ہٹے۔ اور گر پڑے۔ اس وقت اس کو ایک بات سُوجھی۔

Taj Tahir Foundation

اُس نے لیک کر رنگ سے بھرا ہُوا برش اُٹھایا۔ اور تصویر پر دے مارا۔ تمام تصویر رنگ دار بُرش کے آپڑنے سے خراب ہوگئی ؁

مصوّر غصّے سے آگے بڑھا۔ کہ اس حرکت پر نوکر کی مرمّت کرے۔ قدم آگے بڑھاتے ہی اس کی جان بچ گئی ؁

اگرچہ تصویر کے بگڑ جانے سے مصوّر کو بُہت رنج ہُوا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہُوا۔ کہ اس طرح نوکر نے اسے کتنے بڑے خطرے سے نکال لیا ہے۔ تو اُس نے اپنے نوکر کا بُہت شکریہ ادا کیا ؁

جان بچانے کے بدلے مصوّر نے اپنے نوکر کو ایک بُہت خُوبصورت سونے کی گھڑی دی ؁

ڈرپوک خرگوش

ایک خرگوش دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آرام لینے کو ایک آم کے پیڑ کے نیچے پڑ رہا۔ لیٹے لیٹے آپ کو خیال آیا۔ اگر کبھی دُنیا تباہ ہو جائے تو میرا کیا حشر ہو!

اُسی وقت اتّفاق سے ایک آم شاخ پر سے ٹُوٹا۔ پتّوں میں سے کھڑکھڑ کرتا ہُوا گذرا۔ اور بھد سے زمین پہ آ رہا۔ خرگوش نے جو کھڑکا سُنا

تو ڈر کے مارے اُچھل پڑا۔ دُنیا کے تباہ ہونے کا خیال تو دل میں تھا ہی۔ سمجھا قیامت آگئی۔ بھاگ ہی تو کھڑا ہوا۔

راستے میں ایک اور خرگوش ملا۔ اُس نے پُوچھا۔ بھیّا یہ سرپٹ کہاں جا رہے ہو؟

پہلے خرگوش کا سانس پھُول رہا تھا۔ مشکل سے بولا "ارے کُچھ نہ پُوچھ۔ اور بھاگتا چلا گیا۔ دوسرا خرگوش بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ اور چلا چلا کر کہنے لگا "میاں خدا کے لئے بتاتے جاؤ"۔

پہلا خرگوش پل بھر کو تھما۔ اور مڑ کر دیکھے بغیر بولا۔ "ارے کمبخت دُنیا تباہ ہوئی جا رہی ہے"۔

یہ سُن کر دُوسرا خرگوش بھی ساتھ ہی اُڑا۔ اور خرگوشوں نے جو اُنہیں گھبراہٹ میں بھاگتے دیکھا۔ تو وہ بھی ساتھ ہوئے۔ یہاں تک کہ ہزاروں خرگوشوں تک نوبت پہنچ گئی۔ سب کے سب ہوا کی طرح اُڑے جا رہے تھے۔

ہرن۔ رِیچھ اور بھینسے نے اُن کو دیکھا۔ اور بھاگنے کا سبب پُوچھا۔ جب اُنہیں معلوم ہوُا۔ کہ دُنیا تباہ ہو رہی ہے۔ تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ بندر۔ شیر اور ہاتھی نے اُن کو اس حالت میں دیکھا۔ تو اُن سے بھی نہ ٹھہرا گیا۔ وُہ بھی گھبرا کر بے تحاشا بھاگے۔

آگے ملا شیر ببر۔ اُس نے پُوچھا "کیا بات ؟ کس کے ڈر سے دوڑ رہے ہو ؟"

سب بولے " اجی صاحب دُنیا تباہ ہوئی جارہی ہے " اور اُڑے چلے گئے ۔

شیر ببر نے دل میں کہا "عجب بے وقوف ہیں۔ دُنیا تو اچھی بھلی موجود ہے۔ نہ جانے کس کے کہے میں آکر پاگل بن گئے ہیں۔ اصل بات تو معلوم کرنی چاہیئے۔ ورنہ یہ سب تو دوڑ دوڑ کر ہی تمام ہوجائیں گے "

شیر بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہُوا اور چھلانگیں مارتا ہُوا دوڑا۔ اور ان سب کے پاس سے گُذرتا ہُوا ایک پہاڑ کے نیچے جا کھڑا ہُوا ۔

وہاں اُس نے زور سے گرج کر سب کو ٹھہرنے کے لئے کہا۔ شیر ببر کو مقابلے میں دیکھ کر سب جانور گھبرا گئے۔ اور ڈر کے مارے سمٹ سمٹ کر ایک دُوسرے سے مل کر کھڑے ہو گئے۔ شیر ببر اُن کے درمیان بے فکری سے پھرنے لگا۔ اور بولا " تم لوگ بھاگ کیوں رہے ہو ؟

سب نے جواب دیا" حضور دُنیا تباہ ہو رہی ہے "۔

شیر ببر نے پُوچھا" کس نے دُنیا کو تباہ ہوتے دیکھا ؟

کہا" جناب ہاتھیوں کو سب کیفیت معلوم ہے "۔

ہاتھیوں سے سوال کیا۔ وہ بولے "جناب ہمیں تو کچھ خبر نہیں۔ شیروں کو معلوم ہوگا"۔

شیر بولے "ہم کیا جانیں۔ بندروں کو خبر ہوگی"۔

یہاں تک کہ آخر خرگوشوں کی باری آئی۔

اُنہوں نے ایک خاص خرگوش کی طرف اشارہ کرکے کہا "ہمیں تو علم نہیں۔ یہ خرگوش جانے"۔

شیر نے اس سے کہا "کیوں سچ مچ دُنیا تباہ ہو رہی ہے"؟

وہ بولا "جی حضور۔ غلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا"۔

شیر نے پُوچھا "کہاں"؟

کہا "آموں کے باغ میں۔ مَیں مزے میں پڑا سوچ رہا تھا۔ کہ دُنیا تباہ ہو جائے۔ تو میرا کیا حشر ہوگا۔ کہ جناب اللہ کی شان۔ اسی وقت کھڑ بڑ شروع ہوئی۔ اور زمین نے چٹخنا شروع کر دیا۔ بس جناب پھر تو مَیں بھاگا۔ اور یہ سب بھی ساتھ ہو لیئے"۔

شیر نے کہا "تو ہماری پیٹھ پر بیٹھ جا۔ اور ہمیں اُسی جگہ لے چل"۔

شیر خرگوش کو پیٹھ پر بٹھا امریوں کو روانہ ہُوا۔ وہاں پہنچ کر شیر نے کہا "لو دوست اب بتاؤ زمین کہاں سے چٹخی ہے"؟

خرگوش نے کہا۔ مجھ میں تو اس جگہ جانے کی ہمت نہیں۔ آپ

خود ہی جاکر دیکھ آئیے"

شیر نے کہا "ڈرو نہیں - مَیں ساتھ ہُوں - ایسی ویسی بات ہوئی - تو مَیں پھر تمہیں پیٹھ پر بٹھاکر بھاگ کھڑا ہُوں گا"

ڈرتے ڈرتے خرگوش آگے بڑھا - اب وہاں پُہنچ ہو - تو شیر کو دکھائے شرمندہ ہوکر بولا "اب کیا عرض کروں حضور"

شیر نے دیکھا - تو ایک آم نیچے پڑا تھا - شیر بات سمجھ گیا - اور بولا "یہ آم شاخوں میں سے کھڑ بڑ کرتا ہُوا بھد سے گرا ہوگا - اور تم سمجھ بیٹھے - دُنیا تباہ ہو رہی ہے - واہ رے میاں افلاطون"!

شیر پھر خرگوش کو پیٹھ پر بٹھاکر باقی جانوروں کے پاس آیا - تمام بات اُن کو سُنائی - اور کہا "جاؤ اپنے اپنے گھروں کو - اور اگر پھر کبھی کوئی ایسی خبر سُننے میں آئے - تو بھاگنے سے پہلے اس کا پورا حال معلوم کرلینا"

چُوہیا کے تین بچّے

کئی برس گذرے نیپال میں ایک ننھی سی چُوہیا اپنے میاں کے ساتھ رہتی تھی - اُس نے اپنا بل راجہ کے محل کے قریب ایک جنگل

میں بنا رکھا تھا ۔

چوہیا کے ہاں بچہ ہونے لگا ۔ تو اُس نے دیوتاؤں سے یہ دُعا کی ۔ کہ میرے ہاں بہت طاقت ور اور مضبوط بچہ پیدا ہو۔ دُعا قبول ہوئی ۔ اور دیوتاؤں نے اُس کے پیٹ سے ایک شیر پیدا کیا ۔

آخر ایک دن شیر نے اپنی چوہیا ماں سے کہا !

"امّاں ۔ اب میں بڑا ہو گیا ہوں ۔ اب مجھے خود اپنا پیٹ پالنا چاہیئے ۔ میں جنگل کو جاتا ہوں ۔ وہاں اَور شیروں کے ساتھ رہا کروں گا ۔ لیکن اگر کسی وقت تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو ۔ تو بس اتنا کرنا ۔ کہ اس سامنے کی جھاڑی میں جا کر میرے بال ہوا میں اُڑا دینا ۔ اور تین دفعہ نام لے کر مجھے پکارنا ۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا ۔ وہاں سے تمہاری مدد کو آجاؤں گا "۔

یہ کہہ کر اُس نے مٹھی بھر اپنے بال اکھاڑے ۔ اور ماں کو دے دِئے ۔ پھر جنگل کو چل دیا ۔

تھوڑے دِنوں بعد چوہیا کے دُوسرا بچہ ہونے کی اُمید ہوئی ۔ اس مرتبہ اُس نے دُعا کی ۔ کہ میرا بچہ بہت خوب صورت اور خوش نما ہو ۔ دُعا پھر قبول ہوئی ۔ اور چوہیا کے ہاں ایک مور پیدا ہوا ۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں پل پلا کر جوان ہو گیا ۔ اور نہایت خوب صورت پرندہ

بن گیا ۞

ایک روز اُس نے اپنی ماں سے کہا۔

"ماں اب مَیں جوان ہوگیا۔ اور میرے لئے مناسب ہے۔ کہ مَیں جنگل میں جاکر اَور موروں کی طرح خود اپنا پیٹ پالنے کی فکر کروں۔ لیکن اتّفاق سے اگر تم کو کبھی میری مدد کی ضرورت ہو۔ تو بس صرف اتنا کرنا۔ کہ اس سامنے کی پہاڑی پر جاکر میرے پَر ہوا میں اُڑا دینا۔ اور میرا نام لے کر مجھے تین دفعہ پکارنا۔ مَیں جہاں کہیں بھی ہوُں گا۔ تمہاری مدد کو پہنچ جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر اُس نے اپنی ننھی سی امّاں کو اپنے مُٹھی بھر پَر نوچ دئے۔ اور جنگل کو اُڑ گیا ۞

تھوڑے دِنوں بعد چوہیا کے تیسرا بچّہ ہونے کی تیاری ہوئی۔ اب کے اُس نے دیوتاؤں سے دُعا کی۔ کہ میرا بچّہ نہایت عقل مند۔ امیر اور طاقت ور ہو۔ اس مرتبہ چُوہیا کے ہاں ایک آدمیوں کا سا بچّہ پَیدا ہُوا۔ کچھ عرصے بعد جب بچّہ اچھا بڑا ہوگیا۔ تو چُوہیا ڈری۔ کہ یہ بھی کہیں اپنے بھائیوں کی طرح مجھے اکیلا چھوڑ کر آدمیوں میں رہنے کو نہ چل دے۔ چنانچہ اُس نے اپنے شیر اور مور بچّے کی بے وفائی کا تمام حال اُسے سُنایا۔ اور کہا۔ کہ وہ تو خیر جانور تھے۔ جنگل کے رہنے والے۔ گھر میں اُن کا دِل نہ لگتا تھا۔ مگر تم انسان ہو۔ اور اپنے بھائیوں کی طرح

جنگل میں گُذر نہیں کر سکتے۔ اس لئے تُمہیں میرے ساتھ اسی بل میں رہنا مُناسب ہے۔

لڑکے نے ماں سے وعدہ کیا۔ کہ میں کہیں نہ جاؤں گا۔ اور تُمہارے ہی پاس رہا کروں گا۔ وہ ہر روز بل کے دروازے میں آکر بیٹھ جاتا۔ اور وہیں بیٹھا کھیلتا رہتا۔ کہیں اِدھر اُدھر نہ جاتا۔

اسی شہر میں ایک نائی رہتا تھا۔ جو لوگوں کے بال کاٹ کر اور ناخن تراش کر اپنی روزی پیدا کیا کرتا تھا۔ یہ شخص اپنے کام کاج میں بہت ہوشیار تھا۔ اور اکثر خود راجہ بال کٹوانے کے لئے اس شخص کو یاد کیا کرتا تھا۔

ایک دِن نائی راجہ کے محل کو جا رہا تھا۔ کہ اتفاق سے اُس کا گُذر چُوہیا کے بل کی طرف ہوا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک نہایت خُوب صُورت لڑکا گھاس پر بیٹھا کھیل رہا ہے۔ نائی نے اُس کے پاس جا کر پُوچھا "میاں صاحب زادے۔ بال یا ناخُن کٹواؤ گے؟"

لڑکے نے کہا "ہاں"۔

نائی اس کے بال کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔ اللہ کی قُدرت۔ اس لڑکے کے سر کا جو بال زمین پر گرتا ہیرا بن جاتا۔ نائی حیران رہ گیا۔ کہ یہ کیا جادُو ہے۔ مگر چُپکا رہا۔ پھر لڑکے کے ناخن تراشے۔ تو جو

ناخن زمین پر گرا ۔ یاقوت بن گیا ۔

یہاں سے فارغ ہو کر نائی راجہ کے محل کو گیا ۔ اور وہاں راجہ کی حجامت بنائی ۔ حجامت بناتے بناتے اُس نے راجہ کو اس عجیب و غریب لڑکے کا حال بھی سُنا دیا ۔ راجہ بہت لالچی اور تدبیدہ شخص تھا ۔ اس نے دل میں سوچا ۔ کہ ایسے قیمتی لڑکے کو تو کسی طرح اپنے قبضے میں لانا چاہیئے ۔ چنانچہ اُس نے نوکروں کو روانہ کیا ۔ کہ لڑکے کو پکڑ کر محل میں لے آئیں ۔ نوکروں نے جا کر لڑکے کو پکڑا ۔ اور زبردستی کھینچتے ہوئے محل میں لے گئے ۔

جب لڑکا راجہ کے حضور میں حاضر ہوا ۔ تو راجہ نے اس سے کہا ۔ "تم نے بغیر ہماری اجازت کے شاہی جنگل میں رہنا شروع کر دیا ۔ اس جُرم کی سزا میں تم کو غلام بنایا جائے گا ۔ اور تمہاری ماں جان سے مار ڈالی جائے گی ۔ تم صرف اسی طرح بچ سکتے ہو ۔ کہ کہیں سے چار نہایت زبردست اور طاقتور شیر لے کر آؤ ۔ جو ہمارے محل کے چاروں دروازوں کی حفاظت کریں ۔ اگر تم نے یہ شرط پُوری کر دی ۔ تو ہم تم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دیں گے ۔ اور آدھی سلطنت تم کو بخش دیں گے"۔

لڑکا بے چارہ روتا دھوتا اپنی چوہیا ماں کے پاس گیا ۔ اور راجہ کی ملاقات کا تمام حال اُسے سُنایا ۔ چوہیا نے اُسے تسلی دی ۔ اور

Taj Tahir Foundation

کہا۔ تم پریشان نہ ہو۔ مَیں ابھی اس کا بندوبست کیئے دیتی ہُوں" یہ کہہ کر اُس نے شیر بیٹے کے بال نکال کر اُس کو دیئے۔ اور شیر کو بُلانے کا تمام طریقہ سمجھا کر لڑکے کو جنگل میں بھیج دیا۔

ماں نے جس جھاڑی میں جانے کو کہا تھا۔ لڑکا وہاں پہنچ گیا۔ اور شیر کے بال ہوا میں اُڑا کر پکارنے لگا:۔

"شیر بھائی! شیر بھائی! شیر بھائی!"

اُس نے تیسری مرتبہ پُکارا ہی تھا۔ کہ اُسے اپنے برابر سے غرانے کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی۔ لڑکے نے گردن جو پھرائی۔ تو دیکھا۔ کہ ساتھ ہی ایک نہایت طاقت ور اور بڑا شیر اپنے ہونٹ چاٹ رہا ہے۔

شیر بولا "بھیا مَیں حاضر ہُوں۔ کہو کیا کام ہے؟"

لڑکا بولا "شیر بھائی۔ راجہ نے مجھ سے کہا ہے۔ کہ اگر تُو چار نہایت طاقت ور شیر میرے محل کے چاروں دروازوں پر پہرہ دینے کو نہ لایا۔ تو ہم تیری ماں کو مار ڈالیں گے۔ اور تجھے اپنا غلام بنالیں گے"۔

یہ سُن کر شیر بہت زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"وہ بولا" بس اتنا ہی کام ہے۔ اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ چار کیا۔ کہو تو ایک سَو شیر لا کر کھڑا کر دُوں"۔

Taj Tahir Foundation

یہ کہہ کر اُس نے اپنا منہ کھولا۔ اور تین چار دفعہ بہت زور سے گرجا۔ آنکھ جھپکنے میں جنگل کے ہر کونے سے شیر نکلنے شروع ہوئے۔ اور گھڑی بھر میں تمام کا تمام جنگل شیروں سے بھر گیا ٭

سب شیر جمع ہو گئے۔ تو پہلے شیر نے اپنے بھائی سے کہا "تم میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ" لڑکا اس کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھا۔ اور شیر اس کو لے کر راجہ کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ آگے آگے یہ شیر تھا۔ اور پیچھے پیچھے باقی تمام شیروں کا جلوس تھا ٭

جب یہ تمام شیر راجہ کے محل کے قریب پہنچے۔ تو محل کے تمام لوگ بے حد پریشان ہوئے۔ اور ڈر کے مارے ہر طرف بھاگڑ مچ گئی۔ کسی نے جا کر راجہ کو اس بات کی خبر کر دی۔ راجہ خود بہت گھبرایا۔ لیکن پھر وہ سنبھلا۔ اور تخت پر بیٹھ گیا۔ حکم دیا۔ کہ کوئی مت گھبرائے۔ اور لڑکے اور شیروں کو ہمارے حضور میں حاضر کیا جائے ٭

لڑکا شیر کی پیٹھ پر بیٹھا راجہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے شیروں کا غول تھا۔ تخت کے پاس جا کر لڑکا رُک گیا۔ اور بولا :-

"حضور نیپال کے جنگلوں میں جتنے بھی شیر ہیں۔ یہ ان سب میں سے بہتر ہیں۔ ان میں سے جو چار آپ کو پسند ہوں۔ آپ لے لیجئے" ٭

راجہ بہت حیران ہُوا۔ کہ یہ کس بلا کا لڑکا ہے۔ آخر اُس نے چار بہترین شیر پسند کر لئے۔ اور کہا کہ باقیوں کو واپس روانہ کر دو +

اب راجہ بہت گھبرایا۔ کہ کیا کیا جائے۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ لڑکے سے میری شرط پُوری نہ ہو سکے گی۔ اور میں اسے اپنا غلام بنا لوں گا۔ لیکن جب لڑکے نے اتنی کڑی شرط ایسی آسانی سے پُوری کر دی۔ تو راجہ کی پریشانی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا + دُوسرے لڑکا اب راجہ کی بیٹی اور آدھی سلطنت کا حق دار بھی بن گیا تھا۔ لیکن راجہ نے اپنا وعدہ پُورا نہ کیا۔ اور لڑکے کو اس کے گھر بھیج دیا +

تھوڑے دنوں بعد راجہ کو پھر ہیروں کا لالچ آیا۔ اور اُس نے لڑکے کو اپنے حضور میں بُلوایا + جب لڑکا راجہ کے حضور میں آیا۔ تو راجہ نے کہا "تم نے ہماری پہلی شرط تو پُوری کر دی۔ مگر تمہاری اور تمہاری ماں کی جان بخشی کے لئے اتنا ہی کافی نہیں + تم ایک کام اَور کرو۔ ہمارے محل کی چار سُنہری بُرجیاں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ ان بُرجیوں پر چار خُوب صُورت مور بیٹھے رہا کریں۔ تم کہیں سے چار مور لے آؤ۔ تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ ورنہ تمہاری ماں کو مار ڈالا جائے گا۔ اور تم کو ہم اپنا غلام بنا لیں گے" +

یہ بات سُن کر بے چارہ لڑکا بہت پریشان ہُوا۔ اور روتا دھوتا ماں کے پاس آیا۔ ماں کو جب تمام بات معلوم ہوئی۔ تو وہ بولی "اس

میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس کا انتظام ابھی ہُوا جاتا ہے"۔
یہ کہہ کر اُس نے مور کے پَر لڑکے کو دِیئے۔ اور کہا۔" اس سامنے کی پہاڑی پر جاکر ان پروں کو ہوا میں اُڑا دو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے"۔

لڑکا اس پہاڑی پر پہنچا۔ اور پروں کو ہوا میں اُڑا کر چلّانے لگا۔" مور بھائی! مور بھائی! مور بھائی!"

فوراً پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی۔ اور ایک نہایت خوبصورت اور شان دار مور لڑکے کے سامنے زمین پر آ اُترا۔

مور بولا۔" کیوں بھیا۔ مجُھے کیوں یاد کیا؟ کیا بات ہے"؟

لڑکے نے کہا۔" بھائی مور۔ راجہ کہتا ہے۔ کہ اگر تو چار مور میرے محل کی بُرجیوں پر بیٹھنے کے لیئے نہ لایا۔ تو میَں تیری ماں کو مار ڈالوں گا اور تجُھے غلام بنا لُوں گا"۔

مور بولا۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ میَں ابھی اس کا انتظام کیئے دیتا ہُوں"۔

یہ کہہ کر مور ایک بہُت اُونچے درخت کی چوٹی پر جا پہنچا۔ اور زور زور سے جھنکارنے لگا۔

ایک منٹ میں تمام جنگل خوب صورت موروں کے پروں سے رنگین بن گیا۔ ہر طرف سے مور اُڑ اُڑ کر آنے۔ اور وہاں جمع ہونے

شروع ہو گئے ؎

پہلے مور نے کہا "چلو۔ اب راجہ کے محل کو چلیں"؎

یہ کہہ کر چار مضبوط موروں نے لڑکے کو اپنے پنجوں میں پکڑ لیا۔ اور اس کو اُٹھا کر اُڑتے ہوئے راجہ کے محل کو چلے ؎

درباریوں نے جو اتنے بہت سے موروں کو آتے دیکھا۔ تو اُس کی خبر دینے کو وہ راجہ کے پاس دَوڑے گئے۔ راجہ لڑکے کے لئے دربار میں آکر تخت پر بیٹھ گیا ؎

موروں نے لڑکے کو لاکر بادشاہ کے سامنے اُتار دِیا۔ اور خود اُس کے پیچھے قطاریں بنا بنا کر اور اپنی خُوب صُورت اور بھری بھری دُموں کے پَر پھیلا کر کھڑے ہو گئے ؎

لڑکے نے کہا "حضور نیپال کے جنگل کے بہترین مور مَیں آپ کی خدمت میں لے آیا ہُوں۔ ان میں سے جو چار آپ کو پسند ہوں۔ آپ لے لیجئے"؎

اب تو راجہ بہُت ہی حیران ہؤا۔ اور دل میں سوچنے لگا۔ یہ کیسا عجیب لڑکا ہے۔ کہ میری کڑی سے کڑی شرط ایسی جلدی اور ایسی اچھّی طرح پُوری کر دیتا ہے۔ آخر اُس نے چار مور پسند کر لئے۔ اور باقیوں کو واپس کر دیا ؎

لڑکے نے راجہ سے وعدہ کے مطابق یہ نہ کہا۔ کہ اب آپ بھی اپنی

Taj Tahir Foundation

شرط پُوری کیجئے۔ اور اپنی بیٹی سے میری شادی کر کے مجھے آدھی سلطنت دے دیجئے۔ وہ بے چارہ چُپکا اپنے گھر چلا آیا ؂

راجہ کا دل ابھی تک ہیروں کے لئے للچا رہا تھا۔ چنانچہ چند دنوں بعد اس نے لڑکے کو پھر بُلوایا۔ اور کہا "ہماری ایک شرط اَور ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ تمہاری ماں ریاست کے ایک مست ہاتھی سے مُقابلہ کرے۔ اگر تمہاری ماں نے ہاتھی کو مار ڈالا۔ تو ہم تُم دونوں کی جان بخشی کریں گے۔ اور اپنی بیٹی سے تمہاری شادی کر کے تمہیں اپنی ریاست دے دیں گے۔ اور اگر تمہاری ماں ہار گئی۔ تو اُس کو جان سے مار ڈالیں گے۔ اور تمہیں اپنا غلام بنا لیں گے"؂

لڑکا یہ سُن کر بہت ہی پریشان ہوُا۔ اس کے خیال میں بھی نہیں آتا تھا۔ کہ اس کی ننھی سی ماں کس طرح ایک مست ہاتھی سے مقابلہ کر کے جیت سکتی ہے۔ وہ بے چارہ بہت ہی غمگین اور رنجیدہ ہو کر گھر آیا۔ اور تمام بات اپنی ماں سے بیان کی ؂

چوُہیا بولی "بیٹا تم گھبراؤ نہیں۔ میں اس کا بندوبست ابھی کئے لیتی ہوُں۔ تم ایک کام کرو۔ میرے تمام جسم پر کوئی تیز زہر مل دو۔ اور میری دُم کے ساتھ ایک لمبی سی رسّی باندھ دو۔ پھر دیکھو۔ میں ہاتھی سے کیسے لڑتی ہوُں"؂

لڑکے نے یوُں ہی کیا۔ چوُہیا کے بدن پر ایک تیز زہر مل دیا۔

اور اُس کی دُم میں ایک لمبی سی رسّی باندھ دی۔ اور چُوہیا کو اپنے کوٹ کی آستین میں رکھ راجہ کے حضور میں حاضر ہؤا ؎

راجہ کے محل کے باہر ایک میدان میں لڑائی کا انتظام ہو چکا تھا۔ راجہ اور اُس کے درباریوں کے بیٹھنے کے لئے خوب صورت کُرسیاں رکھّی گئی تھیں۔ اور ارد گرد کے گھروں اور چھتّوں پر ہزاروں آدمی تماشا دیکھنے کو بیٹھے ہوئے تھے۔ میدان کے ایک کنارے پر ریاست کا مست ہاتھی زنجیروں سے بندھا ہؤا کھڑا تھا ؎

راجہ لڑکے کو ساتھ لے کر میدان میں آیا۔ خود اپنے دربانوں سمیت اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ اور لڑکے کو ہاتھی کے مقابلے میں میدان کے دُوسرے سرے پر کھڑا کیا ؎

جب سب انتظام ہو چکا۔ تو راجہ نے اشارہ کیا۔ اور ہاتھی کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ ہاتھی نے چھُوٹتے ہی اپنی سُونڈ اُوپر اُٹھالی۔ اور غُصّے سے چنگھاڑتا ہؤا لڑکے کی طرف دَوڑا۔ جب ہاتھی قریب آیا۔ تو چوُہیا لڑکے کی آستین میں سے چھلانگ مار کر زمین پر کُود پڑی۔ اور ہاتھی سے مقابلہ کرنے کو دوڑی۔ ہاتھی کی نظر چوُہیا پر پڑی۔ تو وہ یہ دیکھنے کو ذرا ٹھہرا۔ کہ یہ ننھی سی چیز کیا ہے!

Taj Tahir Foundation

چوہیا بھاگتی بھاگتی ہاتھی کے اگلے پاؤں میں پہنچ گئی - ہاتھی نے اپنی سونڈ نیچے جھکائی - کہ سونڈ سے چھوکر یہ معلوم کرے - یہ کیا چیز ہے + لیکن سونڈ کا نیچے جھکنا تھا - کہ چوہیا جھٹ سونڈ کے اندر گھس گئی - اور اندر ہی اندر دوڑتی دوڑتی ہاتھی کے دماغ تک پہنچ گئی ۔

دماغ میں پہنچ کر چوہیا نے اِدھر اُدھر دوڑنا بھاگنا شروع کیا - دماغ کے جس حصے کو چوہیا چھو جاتی - اسی جگہ زہر لگ جاتا تھا + ہاتھی کی گھبراہٹ کا کچھ ٹھکانا نہ تھا - اس کے سر میں چوہیا کے دَوڑنے سے دھم دھم ہو رہی تھی - اور وہ اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا - اور درد اور تکلیف سے بے تاب تھا - جو کچھ اس کے سامنے آتا - وہ اسے اپنی سونڈ سے توڑ پھوڑ دیتا - لیکن ذرا دیر بعد جب زہر نے اثر کرنا شروع کیا - تو ہاتھی زمین پر گر پڑا - اور تڑپتے تڑپتے اس کی جان نکل گئی ۔

جب ہاتھی مرگیا - تو لڑکے نے وہ رسّی کھینچنی شروع کی - جو اُس نے چوہیا کی دُم کے ساتھ باندھ رکھّی تھی - رسّی جو کھینچی - تو چوہیا نہایت آرام سے کھنچتی کھنچتی صحیح سلامت باہر نکل آئی ۔

اب یہ شرط اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے پوری ہوئی تھی - کہ راجہ اپنا وعدہ پورا کرنے سے انکار نہ کرسکا - آخر اُس نے اپنی

بیٹی کی شادی چوہیا کے لڑکے سے کر دی۔ اور اپنی آدھی سلطنت اس کو دے ڈالی ۔

راجہ کے مرنے کے بعد لڑکا ہی تمام ریاست کا مالک ہوا۔ اور اپنی بیوی اور چوہیا ماں کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگا ۔

شیروں کا بادشاہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ ایک کمہار کا گدھا تھان سے رسی تڑا کر بھاگ نکلا۔ گدھے نے شہر کے راستے چھوڑ سیدھی جنگل کی راہ لی۔ وہاں ہری ہری گھاس اُگ رہی تھی۔ خوب مزے لے لے کر کھائی۔ ادھر پیٹ بھرا۔ ادھر جنگل کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی۔ آپ نے جوش میں آ ڈھینچوں ڈھینچوں کرنا شروع کر دیا ۔

وہاں قریب ہی ایک شیر پڑا سوتا تھا۔ گدھے کے بے ڈھنگے راگ سے جاگ اُٹھا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تو سامنے میاں گدھے کُود رہے ہیں۔ اور خوشی کے مارے چیخیں مار رہے ہیں ۔

شیر نے گدھا کبھی دیکھا نہ تھا۔ اب یک لخت جو سامنا ہوا۔ تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ اور دل میں سوچنے لگا۔ اس لمبے لمبے کانوں والے

Taj Tahir Foundation

جانور پر حملہ کرنے میں کوئی ڈر تو نہیں ؟ ہمت نہ پڑی ۔ آخر بڑھ کر گدھے سے پوچھا "آپ کون ہیں ؟"

گدھا بولا "ہم ہیں شیروں کے بادشاہ ۔ سُنا نہیں ۔ ابھی ہم شیروں کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے ۔ کہ اگر کسی شیر میں ہمت ہو ۔ تو مقابلے کے لئے آجائے "۔

شیر نے کہا "ہاں آواز تو سُنی تھی ۔ مگر لڑائی بھڑائی سے کیا فائدہ ؟ ہم تم دوست نہ بن جائیں ۔ اکٹھے مل کر رہیں گے ۔ تو جنگل کے کسی جانور کو ہمارے سامنے سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہو گی "۔

دونوں دوست بن گئے ۔ اور مل کر جنگل کی سیر شروع کی ۔ سامنے ایک ندی آ گئی ۔ شیر تو چھلانگ مار ندی کے دُوسرے کنارے جا اُترا ۔ گدھے پر مُصیبت آئی ۔ بڑی مشکل سے تیر کر ندی کے پار ہوا ۔

شیر بولا "حضرت آپ کو تو تیرنا بھی نہیں آتا ؟"

گدھے نے جواب دیا " کہنے لگے ۔ تیرنا نہیں آتا ۔ جناب بطخ کی طرح تیر سکتا ہوں ۔ مگر تم کو کیا معلوم ندی میں ہم پر کیا گذری ۔ ہم نے اپنی دُم سے ایک بہت بڑی مچھلی پکڑ لی تھی ۔ وہ کم بخت تھی اتنی بوجھل ۔ کہ ہمیں ہی ندی کی تہ میں لے چلی تھی ۔ مگر ہم ڈٹے رہے ۔ ادھر تم نے جلدی جلدی کا شور مچا دیا ۔ تو مجبوراً ہمیں مچھلی کو چھوڑ کر آنا پڑا "۔

دونوں آگے بڑھے۔ تو سامنے ایک دِیوار آ گئی۔ شیر تو چھلانگ مار مزے میں دوسری طرف جا پہنچا۔ مگر گدھے میاں جو اُچھلے۔ تو اگلے دو پاؤں تو دیوار کی دوسری طرف لٹکنے لگے۔ باقی دھڑ اُدھر ہی میں رہا ⁂

شیر بولا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

گدھے نے کہا "دکھائی نہیں دیتا۔ اپنا بدن تول رہے ہیں۔ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اگلا حصّہ بھی پچھلے حصّے جتنا بھاری ہے۔ یا نہیں"۔

بہت زور لگانے کے بعد کہیں گدھا دیوار پر سے گذر سکا۔ جب گدھا دُوسری طرف نیچے پہنچا۔ تو شیر نے کہا "تم میں کچھ زور معلوم نہیں ہوتا۔ میَں تم سے لڑوں گا"۔

گدھے نے کہا "بہتر! یُوں ہی سہی۔ لیکن لڑنے سے پہلے طاقت کا کوئی اصلی امتحان کر کے دیکھ لو۔ تمہارے نزدیک میَں اُچھل کر اس دیوار پر سے گذر نہیں سکتا۔ اور میَں کہتا ہُوں۔ میَں اِس دیوار کو دھکے دے کر گرا سکتا ہُوں۔ بھلا پہلے دیکھوں تو تم اسے کیسے گراتے ہو؟"

شیر نے پنجوں سے دیوار کو دھکیلنا شروع کیا۔ مگر دیوار ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور پنجے لہُو لہان ہو گئے۔ مجبوراً اُسے رُک جانا پڑا۔

Taj Tahir Foundation

گدھے کے پاؤں میں نعل جڑے ہوئے تھے۔ اس نے جو دو تین دھکے دِئے۔ تو پُرانی دیوار کے دو تین پتھّر نکل گئے۔ اور دیوار دھڑام سے گر پڑی ؂

شیر نے اپنے زخمی پنجوں کو چاٹتے ہوئے کہا "سچ مچ آپ بہت طاقت ور ہیں" ؂

اگلے دن جنگل کے تمام شیر جمع ہوئے۔ اور گدھا ان سب کو اپنے ساتھ ساتھ لئے بڑی شان سے ایک وادی میں پھرنے لگا۔ جو بڑی بڑی کانٹے دار جھاڑیوں سے پٹی پڑی تھی ؂

تمام شیروں نے چلاّ کر کہا "اجی صاحب اُدھر نہ جائیے۔ اُدھر نہ جائیے۔ پنجے لہُو لہان ہو جائیں گے" ؂

گدھا بولا "تم بہت ڈرپوک جانور ہو۔ ہمیں دیکھو" ؂

یہ کہہ کر گدھے نے ان جھاڑیوں کو چرنا شروع کر دیا۔ شیر ہکّے بکّے رہ گئے۔ اور مل کر چلاّ اُٹھے "یہ واقعی ہمارا بادشاہ ہونے کے قابل ہے" ؂

چونکہ گدھا کبھی اپنی رعیّت کے شکار میں سے حصّہ نہ مانگتا تھا۔ اس لئے شیر اس کی حکومت سے اتنے خوش ہوئے۔ کہ کبھی کسی بادشاہ سے نہ ہوئے تھے ؂

چالاک کسان اور بونا

ایک کسان کی زمین میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ زمین میں تو کسان فصل تیار کیا کرتا۔ ٹیلہ یوں ہی پڑا رہتا۔ ایک دفعہ کسان نے سوچا۔ بھئی ٹیلہ کیوں خالی پڑا رہے۔ اس سے بھی کچھ فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ یہ سوچ اُس نے ٹیلے پر ہل چلانا شروع کیا۔

اس ٹیلے میں رہتا تھا۔ ایک بونا۔ ہل کی آواز سُنتے ہی وہ آن موجود ہوا۔ اور غصّے سے بولا "کیوں بے۔ یہ ہمارے گھر کی چھت پر ہل! آنکھیں نہیں کیا۔ یا دماغ پھر گیا ہے؟"

کسان نے بڑے ادب سے معافی مانگی۔ اور کہا "حضور غلطی ہوئی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ یہاں آپ کا دولت خانہ ہے۔ اب آپ منع کرتے ہیں تو میں اس جگہ کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ باقی اگر آپ مجھے یہاں فصل تیار کرنے کی اجازت دے دیں۔ تو آدھا نفع آپ کو دینے کا وعدہ کرتا ہوں"۔

پہلے تو بونا کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ لیکن جب کسان نے بہت منت خوشامد کی۔ تو مان گیا۔ اور دونوں نے ایک عہد نامہ لکھنے کا ارادہ کیا۔ کسان نے کہا "میں سب کام کرنے کو تیار ہوں۔ مگر شرط

Taj Tahir Foundation

یہ ہے۔ کہ پہلے جو فصل ہو گی۔ اس میں جو کچھ زمین کے اوپر اوپر ہو۔ وُہ میرا۔ اور زمین کے نیچے جو کچھ ہو وہ آپ کا۔ اور دُوسرے سال جو کچھ زمین کے نیچے ہو۔ وہ میرا۔ اور جو کچھ اُوپر ہو وہ آپ کا"

بَونے نے یہ شرطیں مان لیں۔ اور عہد نامہ ہو گیا۔

لیکن چالاک کسان نے کیا کیا۔ کہ پہلے سال اناج بو دیا۔ دانے تو خود لے لئے۔ اور جڑیں بونے کے لئے چھوڑ دیں۔ اور دُوسرے سال گاجریں بوئیں۔ اُوپر کے پتے بونے کو دئے۔ اور گاجریں آپ لے لیں۔

بونے میاں منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

بندر اور کچھوے کی کہانی

ایک بُوڑھا کچھوا اپنے بال بچوں کے ساتھ ایک بہت بڑی جھیل میں رہا کرتا تھا۔ جھیل کے چاروں طرف بہت گھنا جنگل تھا۔ جس میں بہت سے جنگلی جانور بستے تھے۔ اور بندروں کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔ جھیل کا تمام کنارہ ان سے پٹا پڑا تھا۔

Taj Tahir Foundation

ایک دِن گھر میں بیٹھے بیٹھے کچھوے کا دل جو گھبرایا۔ تو وہ سَیر کرنے کے لئے گھر سے باہر نکل آیا۔ اور پانی کے کنارے پھرتے پھراتے دُور جنگل میں نکل گیا۔ کچھ دیر سَیر کرنے کے بعد کچھوے کو بُھوک لگی۔ دیکھتا ہے۔ تو پاس ہی ناریل کا ایک درخت تھا۔ جس کی چوٹی پر پکے پکے ناریل لگ رہے تھے۔ کچھوا بہتیرا اُچھلا کُودا۔ کہ کسی طرح درخت کے اوپر پہنچ جائے۔ لیکن درخت کا تنا ایسا سیدھا اور چکنا صاف تھا۔ کہ وُہ کامیاب نہ ہو سکا۔

آخر مایُوس ہو کر اُس نے ارادہ کیا۔ کہ چلو گھر ہی واپس چلیں۔ اتنے میں اسے درخت کی ٹہنیوں میں ایک بندر بیٹھا ہوُا دِکھائی دیا۔ بندر بہت حیران ہو ہو کر کچھوے کو اُچھلتا ہُوا دیکھ رہا تھا۔ اسے افسوس ہوُا۔ کہ اس بیچارے سے درخت پر نہیں چڑھا جاتا۔ ساتھ ہی دیکھا۔ کہ کچھوا خوب موٹا تازہ اور مزے کا جانور دکھائی دیتا ہے۔ ارادہ کیا۔ کہ اس پر کچھ احسان کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک دو ناریل توڑ کر اُس نے نیچے پھینک دِئے۔ کچھوے نے شکریہ ادا کرکے اُن کا ناشتہ بنایا۔

اب دونوں نے ایک دُوسرے سے باتیں کرنی شروع کیں۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں گُھل مل گئے۔ اور اُن میں دوستی ہو گئی۔ بندر کچھوے کو جنگل میں لے گیا۔ اور وہاں ایک بہت عمدہ

سا غار دکھا کر کہنے لگا۔ کہ دوست آج رات یہاں بسر کرو۔ تو خوب ہو ۔

کچھوے کو جنگل کی سَیر میں بہت مزہ آیا تھا۔ ساتھ ہی بندر سے دوستی ہو جانے پر وہ بہت خوش ہو رہا تھا۔ ایک رات کیا۔ وہ کئی روز وہاں ٹھہرنے پر راضی ہو گیا۔ دن کے وقت دونوں دوست جنگل کی سَیر کرتے تھے۔ اور رات کو غار میں واپس آجاتے تھے ۔

اُدھر کچھوے کی بیوی پریشان تھی۔ کہ اتنے دن ہو گئے۔ میرا گھر والا ابھی تک کیوں واپس نہیں آیا۔ پہلے تو وہ اتنے دنوں تک کبھی گھر سے غیر حاضر نہیں رہا۔ آخر اُس نے اپنے بیٹے سے کہا۔ "اپنے باپ کی خبر لے۔ اور معلوم کر۔ کہ وہ کہاں ہے۔ اور کیا کر رہا ہے "۔

بیٹا جھیل میں سے تَیر کر کنارے پر آپہنچا۔ اور اِدھر اُدھر جنگل میں اپنے باپ کو تلاش کرنے لگا۔ پھرتا پھراتا غار کے پاس جو پہنچا۔ تو وہاں ابا جان سے ملاقات ہو گئی ۔

وہ بولا "ابا جان آداب۔ اماں آپ کی غیر حاضری سے سخت پریشان ہو رہی ہیں۔ انہیں طرح طرح کے وہم ہوتے ہیں۔ آخر تنگ آکر آج اُنہوں نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ معلوم کروں۔ آپ کہاں ہیں۔ اور کیا کر رہے ہیں "۔

Taj Tahir Foundation

کچھوا بولا" بیٹا اپنی ماں سے جا کر کہہ دو۔ کہ بالکل اچھی طرح ہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہم اور ہمارے بھیّا بندر میاں آج کل جنگل میں بہت مزے سے دن گذار رہے ہیں۔ تھوڑے دنوں بعد ہم گھر میں آجائیں گے لو اب بھاگ جاؤ"۔

بیٹے نے آکر تمام بات ماں کو کہہ سُنائی۔ ماں کو غصہ آیا۔ کہ میرا میاں ایسا آوارہ ہوگیا۔ کہ سیر سپاٹے کے شوق میں اتنے دنوں تک گھر کی یاد بھی نہیں آئی۔ دل میں کہنے لگی۔ اُس بدمعاش جنگل کے رہنے والے بندر سے اتنی دوستی۔ کہ ہمیشہ کی ساتھی بیوی کو بھلا بیٹھے ٭

اسی وقت بیٹے سے کہا" اپنے باپ کے پاس واپس جا۔ اور کہنا کہ امّاں بڑی سخت بیمار ہو رہی ہیں۔ اور حکیم جی نے کہا ہے۔ کہ اس بیماری کا علاج صرف بندر کے دل سے ہو سکتا ہے۔ اب تم واپس گھر چلو۔ اور ساتھ ایک بندر بھی لیتے چلو"۔

بیٹا اب پھر باپ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اور ملنے کے بعد ماں کا پیغام اُسے سُنا دیا۔ بیوی کی بیماری کی خبر سُن کر کچھوے کو بہت فکر ہوئی۔ اور وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا۔ کہ میں کیوں اتنے دنوں گھر سے باہر رہا۔ اب اُسے یہ فکر ہوئی۔ کہ کسی طرح بیوی کے لئے دوا لے کر ہی چلنا چاہیئے۔ آخر اُس نے اپنے دوست بندر سے

Taj Tahir Foundation

کہا۔ "ایک ضروری کام کی وجہ سے مَیں گھر جا رہا ہُوں۔ کیا خوب ہوتا اگر تم بھی کچھ دنوں کے لئے میرے ساتھ میرے گھر چلتے"۔

بندر نے خوشی سے منظور کر لیا۔ اور دونوں کے دونوں مل کر جھیل کی طرف روانہ ہوئے۔

جھیل کے کنارے پہنچ کر۔ جو بندر کو معلوم ہُوا۔ کہ اس کے اندر گُھسنا پڑے گا۔ تو وُہ گھبرایا۔ اور کچھوے سے کہنے لگا "مَیں اس سے پہلے کبھی پانی میں اُترا نہیں۔ مُجھے تو ڈر معلوم ہوتا ہے۔ تم کہو تو مَیں اپنے گھر ہی واپس چلا جاؤں"۔

کچھوا بولا "دوست اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ مَیں ابھی ابھی اس کا انتظام کئے دیتا ہُوں۔ تم یُوں کرو۔ کہ میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔ مَیں تم کو پیٹھ پر بٹھا کر بڑے مزے میں گھر تک لے چلوں گا"۔

بندر کچھوے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ اور کچھوے نے پانی میں تیرنا شروع کیا۔ جب دونوں جھیل کے بیچ میں پہنچے۔ تو کچھوے نے اپنی بیوی کی بیماری کا ذکر کیا۔ اور حال سُناتے سُناتے بے وقوفی سے یہ بھی بتا دیا۔ کہ مرض کا علاج صرف بندر کا دل ہے۔

یہ سُن کر بندر بہت گھبرایا۔ اور سمجھ گیا۔ کہ کچھوا مجھے اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔

وہ بولا " بھیّا کچھوے تمہاری بیوی کی بیماری کا حال سُن کر تو مجھے بہت ہی رنج ہوُا۔ لیکن جیسا تم کہہ رہے ہو۔ اگر وُہ بہت ہی سخت بیمار ہے۔ تب تو میرے خیال میں ایک بندر کا دل اس کے لئے کافی نہ ہوگا۔ میری رائے میں تو اس کے لئے کم از کم تین چار دلوں کی ضرورت ہوگی۔ اگر تم کہو۔ تو مَیں اپنے دوستوں میں سے اَور بہت سے بندر بُلا لاؤں۔ وُہ سب تمہارے ساتھ چلے چلیں گے "۔

کچھوے نے سوچا۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ بندر کو کنارے پر لے جانے کو راضی ہوگیا۔ چنانچہ وُہ واپس پھرا۔ اور تَیرتا تَیرتا پھر کنارے پر آلگا ۔

کچھوے کا کنارے پر لگنا تھا۔ کہ بندر فوراً اُس کی پیٹھ پر سے اُتر گیا۔ اور جھٹ سے ایک بہت اُونچے درخت پر چڑھ گیا۔ اوپر درخت کی ٹہنیوں میں بیٹھ کر اُس نے خوب پیٹ بھر کے کچھوے کو گالیاں سُنانی شروع کیں ۔

کہنے لگا " واہ صاحب واہ۔ آپ کے بھی کیا کہنے ہیں۔ اس لئے مجھے اپنے گھر لے جا رہے تھے۔ کہ مُجھے مار کر میرے دل سے اپنی کل موئی جورو کا علاج کرو ۔ مَیں نے تم سے اتنی محبّت کی۔ تمہاری خدمت کرتا رہا۔ تمہیں جنگل کی سَیر کرائی۔ ان سب باتوں کا تم نے مُجھے یہ عوض دیا ؟ خیر مَیں تم جیسے احمقوں کے دھوکے میں تھوڑا ہی آسکتا تھا۔

اب آپ کو جتنے بندروں کی ضرورت ہو۔ ان کو شوق سے پکڑ لیجیے"۔
کچھوے نے جو یہ سُنا۔ تو اُس کو سخت غصّہ آیا۔ اُس نے کئی مرتبہ کوشش کی۔ کہ کسی طرح درخت پر چڑھ جائے۔ اور بندر کو اس بدزبانی کی سزا دے۔ لیکن چونکہ اُچھلنا نہ جانتا تھا۔ اِس لیئے بہت جلد تھک کر بیٹھ رہا۔ ارادہ کیا۔ کہ بندر سے کسی اَور طرح سمجھنا چاہیئے۔ شام تک تو وہ پانی میں چُھپا رہا۔ اور جب کچھ اندھیرا ہوگیا تو چُپکے سے زمین پر آیا۔ اور اس غار کی طرف چلا۔ جہاں وُہ اور بندر دونوں اکٹھے رہتے تھے۔ غار میں پہنچ کر کچھوا اسی کے ایک اندھیرے سے کونے میں چُھپ گیا۔ اور بندر کی راہ دیکھنے لگا۔ اُس کا خیال تھا۔ کہ بندر روز کی طرح یہیں رات بسر کرے گا۔ بس وہ آیا۔ اور مَیں نے اُس کی خبر لی۔

مگر بندر بھی ایسا بےوقوف نہ تھا۔ کہ یوں اس جال میں پھنس جاتا۔ جب اس کے سونے کا وقت آیا۔ تو وہ غار کے مُنہ پر آکر بیٹھ رہا۔ اور زور سے چلّا کر بولا "اے بڑے غار! اے بڑے غار!"
کچھوا سانس بند کیئے کونے میں دبکا ہُوا تھا۔

کچھ دیر چُپ رہنے کے بعد بندر نے پھر کہا!
"اے بڑے غار! اے بڑے غار!"
اب بھی کچھوا چُپ چاپ پڑا رہا۔ اور ذرا نہ معلوم ہونے دیا۔ کہ

وہ غار کے اندر موجود ہے ۔

آخر بندر نے ذرا اُونچی آواز میں اپنے آپ سے کہا "عجیب بات ہے ۔ پہلے اگر کوئی اس غار کے سامنے بولا کرتا تھا ۔ تو اندر سے گُونج پیدا ہوتی تھی ۔ آج کیا بات ہے کہ کوئی آواز ہی نہیں آتی ۔ ضرور کوئی اندر موجود ہے ۔ معاملہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا" یہ کہہ کر اُس نے پھر چلانا شروع کیا "اے بڑے غار! اے بڑے غار!"

بے وقوف کچھوے نے سوچا ۔ مجھے اندر سے بولنا چاہیئے ۔ تاکہ بندر کو کچھ شک نہ ہو ۔ اور وہ میری آواز کو گُونج سمجھ کر بے تکلّف اندر چلا آئے ۔ چنانچہ اُس نے اپنے اندھیرے کونے میں سے بندر کے الفاظ دُہرائے ۔

"اے بڑے غار! اے بڑے غار!"

آواز کی آواز سُن کر بندر کچھوے کی بے وقوفی پر ہنسا ۔ اور رات بسر کرنے کو جنگل کے کسی دُوسرے غار میں چلا گیا ۔ کچھوے میاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ۔

چنیا بیگم اور لال کپتان

سلمیٰ اور حمید بھائی بہن تھے۔ دونوں بڑے خوب صورت اور بھولے بھالے بچّے تھے۔ سُرخ سفید رنگت۔ کالی کالی آنکھیں۔ بھورے بھورے بال۔ جو کوئی دیکھتا۔ بے اختیار اُس کا دل پیار کرنے کو چاہتا لیکن دونوں میں یہ بڑا عیب تھا۔ کہ شوخ اور غُصیلے بہت تھے۔ تمام دِن شرارتیں کرتے۔ اور جہاں کوئی بات مرضی کے خلاف ہوتی۔ بگڑ جاتے۔ اور پھر اتنی ضد کرتے۔ کہ توبہ ہی بھلی ؛

ایک روز سلمےٰ نے لڑکر اپنے چھوٹے بھائی حمید کے تین چار چپت جڑ دِئے۔ حمید روتا ہوُا اپنی امّاں جان کے پاس گیا۔ اور بہن کی شکایت کی۔ ماں نے سلمےٰ کو بُلا کر کہا۔ "سلمےٰ تم بہت شوخ ہوتی جا رہی ہو۔ تمہاری شوخی کی یہ سزا ہے۔ کہ تمہیں اسی وقت پڑ کر سو جانا ہوگا۔ آج مَیں تمہیں کہانی نہیں سُناؤں گی" ؛

سلمےٰ اُٹھ کر اپنے سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں چارپائی کے سرہانے اُس کی گُڑیا چنیا بیگم رکھی تھی۔ اُسے اُٹھا غُصّے میں زمین پر دے مارا۔ اور خود رضائی میں مُنہ سر لپیٹ پڑ رہی۔ تھوڑی دیر میں اُس کی آنکھ لگ گئی ؛

Taj Tahir Foundation

غریب چنیا بیگم کمرے کے کونے میں جا پڑیں۔ ان کی ناک ٹوٹ گئی تھی۔ بے چاری بھلے مانس۔ سلمٰی کے ظلم پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ اور جہاں پڑی تھیں۔ وہیں چپکی پڑی رہیں۔ ذرا سی دیر کے بعد حمید کی انّا نے حمید کو لاکر اُس کے بستر پر لٹا دِیا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ بھی سو گیا۔

چنیا بیگم نے جب دیکھا۔ کہ بچّے سو گئے ہیں۔ تو بولیں: "میں بھی کتنی بدنصیب ہُوں۔ اس لیئے کہ مَیں بولتی چالتی نہیں۔ کچھ کھاتی پیتی نہیں۔ چیزیں توڑتی پھوڑتی نہیں۔ نہ روتی اور نہ غُل مچاتی ہُوں۔ لوگ سمجھتے ہیں۔ مُجھ میں جان ہی نہیں۔ میرے چوٹ ہی نہیں لگتی۔ مجھے کسی بات سے تکلیف ہی نہیں ہوتی۔ کسی کو کیا خبر مُجھ پر کیا گذرتی ہے۔ ہاں بھئی جس پر گذرے وہی کچھ جانتا ہے"۔

کہیں اسی کونے میں کپتان لال خان بھی اوندھے پڑے تھے۔ حمید کے کھلونوں میں آپ ٹین کے سپاہی تھے۔ اور میاں حمید نے صُبح صُبح ان کو اُٹھا کر اسی کونے میں پٹخ دِیا تھا۔ جہاں سلمٰی نے چنیا بیگم کو پھینکا تھا۔ چنیا بیگم کی باتیں سُن کر کپتان صاحب نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ اور بولے: "ٹھیک ہے بہن۔ لوگوں کو ہمارے دُکھ درد کی کیا خبر! ہم چونکہ روتے دھوتے نہیں۔ اس لئے بچّے سمجھتے ہیں۔ جب وہ ہمیں چوٹ لگاتے ہیں۔ تو ہمیں دُکھ نہیں ہوتا۔ ہمیں جو تکلیف ہوتی

ہے۔ اسے تو کچھ ہم ہی جانتے ہیں۔ ذرا دیکھو تو میاں حمید نے میرے سر کو کیسی بُری طرح مروڑا ہے۔ کہ تقریباً گردن ہی سے الگ کر دیا ہے"

چنیا بیگم نے کہا۔ "اور بھائی میری ناک تو تم نے دیکھی ہی نہیں۔ بی سلمیٰ نے اس زور سے مجھے زمین پر دے مارا۔ کہ تقریباً اُڑ ہی گئی ہے"

کپتان صاحب بولے۔ "بہن کیا کروں۔ مجبور ہوں۔ کسی طرح تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ صبر کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ ہم بدقسمت کھلونے ہیں۔ ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ کہ ہمیشہ یوں ہی مصیبتیں اُٹھاتے رہیں"

چنیا بیگم جلدی سے کہنے لگی۔ "کیا کہتے ہو بھائی۔ ہمیشہ کیوں مصیبتیں اُٹھاتے؟ ہم ہمیشہ کھلونے تھوڑا ہی رہیں گے۔ یہ تو ذرا سی دنوں کی بات ہے"

کپتان لال خان نے حیران ہو کر پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

چنیا بیگم بولیں۔ "پھر کہو تو تم کو تمام آپ بیتی سناؤں؟"

کپتان صاحب نے کہا۔ "ضرور۔ سچی کہانیاں سُننے کا تو مجھ کو بہت شوق ہے"

چنیا بیگم آہ بھر کر بولیں۔ "بھائی اب تمہیں یقین آئے یا نہ آئے۔ مَیں تو وہی سناؤں گی جو مجھ پر بیتی ہے۔ تھوڑے عرصے کا ذکر ہے۔

Taj Tahir Foundation

کہ میں بھی ایک چھوٹی سی پیاری پیاری بچّی تھی۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ ایک خوب صُورت گھر میں رہا کرتی تھی۔ اور میرے پاس اتنے بہت سے کھلونے تھے۔ کہ مجھے ان سب سے کھیلنے کا وقت بھی نہ ملتا تھا۔

"لیکن افسوس اس وقت میں بھی سلمےٰ کی طرح بہت شوخ اور غصیلی تھی۔ ایک روز میں نے اپنی ایک گڑیا کو آگ میں جھونک اُس کی ناک جلا ڈالی۔ اس دن رات کو میں سو رہی تھی۔ تو یک لخت میری آنکھ کھُل گئی۔ دیکھتی کیا ہُوں۔ کہ ایک پری میرے کمرے میں آئی۔ اور اُس نے مُجھ پر اپنی جادُو کی چھڑی پھیر کر مجھے چھوٹی سی چینی کی گڑیا بنا دیا۔ اور بڑے غصّے میں کہنے لگی۔" اب جب تک کوئی لڑکی تجھ پر اُتنا ظلم نہ کرے۔ جتنا تو اپنی گڑیا پر کرتی رہی ہے۔ تو گُڑیا ہی بنی رہے گی۔ اور پھر جب تک تجھ پر ظلم کرنے والی لڑکی سُدھر نہ جائے گی۔ تو اپنی اصلی حالت پر نہ آئے گی۔"

"بس بھائی یہ کہہ کر اس پری نے مجھے اُٹھایا۔ اور ایک دکان میں جا کر رکھ دیا۔ اور وہاں سے سلمےٰ کے ابّا مجھے خرید لائے۔ اور لا کر بی سلمیٰ کے حوالے مُجھے کر دیا۔ یہ ہے میری ساری سرگذشت"

چنیا بیگم کی کہانی سُن کر کپتان لال خاں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ بولے" تو بہن تم پر ظلم تو بہت ہو لئے۔ اب تمہارے

اپنی اصلی حالت پر آنے میں صرف اتنی کسر باقی ہے۔ کہ سِلبلے سدھر جائے۔"

چنیا بیگم نے کہا "اسی کا تو انتظار ہے۔ پر اللہ جانے یہ لڑکی کب سُدھرے گی۔ مجھے تو اُس کی شرارتوں پر بعض دفعہ یہ خیال آتا ہے کہ کہیں پری آکر اس کو بھی گڑیا نہ بنا جائے۔ تمہیں خدا جانے خبر ہے یا نہیں۔ کہ تمام گڑیاں اصل میں شوخ لڑکیاں ہیں۔ اور پریوں نے اُن کی شرارتوں سے تنگ آکر اُنہیں یہ سزا دی ہے۔ کہ اُنہیں گڑیاں بنا دیا ہے۔"

کپتان لال خان بولے "اس کی تو مجھے خبر نہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے۔ کہ جو کچھ تم پر گذری ہے۔ وہی مجھ پر گذری ہے۔ چنیا بیگم تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔ کہ یہ کھلونوں میں جتنے سپاہی اور گڈّے ہوتے ہیں۔ یہ سب اصل میں ننھے ننھے لڑکے تھے۔ اور اُن کی شوخیوں سے تنگ آکر ایک جادُوگر نے اُن کی یہ حالت بنا دی۔ تمہاری طرح کُچھ عرصہ پہلے مَیں بھی بڑا خوب صُورت اور بھولا بھالا بچّہ تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا۔ لیکن میری شرارتوں کی کوئی حد نہ تھی۔ میرے پاس ایک لکڑی کی تلوار تھی۔ تمام دن اُسے گھر میں گھماتا پھرتا۔ اور اپنے نوکروں کو اس سے مارتا رہتا۔ کبھی ابّا جان کے کمرے میں دوات پھوڑ ڈالتا۔ غرض ہمیشہ قیامت

لائے رکھتا تھا۔

"آخر ایک رات ایک جادوگر نے آکر مجھے کھلونے کا کپتان بنا دیا۔ اور کہا۔ کہ جو لڑکا تم سے کھیلا کرے گا۔ جب تک وہ نیک بچہّ نہ بن جائے گا۔ تم اپنی اصلی حالت پر نہ آؤ گے۔ سو بہن اب میاں حمید کے سُدھرنے کی تو کچھ اُمید ہے نہیں۔ اسی لئے نااُمیّد ہو کر میں نے کہا تھا۔ ہم بدقسمت کھلونے ہیں۔ ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ کہ ہمیشہ مُصیبتیں اُٹھاتے رہیں"۔

چینیا بیگم بولیں "بھائی میں تو ابھی نااُمیّد نہیں ہوئی۔ مگر تم نے دیکھا بھی۔ سلمٰے بار بار کروٹ لے رہی ہے۔ میرا خیال ہے۔ وہ سو نہیں رہی۔ چُپکی لیٹی ہماری باتیں سُن رہی ہے۔ صُبح کو اُٹھے گی۔ تو اُس کو ایسا معلوم ہوگا۔ جیسے اُس نے خواب میں یہ باتیں سُنی ہیں۔ لیکن کیا اچھا ہو۔ اگر ہماری باتوں سے وہ سُدھر جائے۔ اور حمید کو بھی سمجھا بُجھا لے۔ کہ ہم مصیبت کے مارے اپنی اصلی حالت پر آکر اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ جائیں"۔

اور یوں ہی ہُوا۔ اگلے روز صبح کو سلمٰے کی آنکھ کھُلی۔ تو وہ جھٹ سے اُچھل کر اپنے بھائی حمید کے بستر پر جا بیٹھی۔ اور اپنا عجیب غریب خواب اُس کو سُنانے لگی۔ دونوں بچوّں نے ارادہ کیا۔ کہ اب ہم شرارتیں نہ کیا کریں گے۔ بلکہ نیک بچےّ بن جائیں گے۔ تاکہ پری

ہمارے غریب کھلونوں پر رحم کر کے اُنہیں اپنے اپنے ماں باپ کے پاس پہنچا دے ۔

چند دن کے بعد جب بچّوں کی ماں نے ٹوٹے ہوئے کھلونے بچّوں سے لے لئے ۔ اور اُن کی جگہ نئے کھلونے دِئے ۔ تو سلمےٰ اور حمید نے سمجھ لیا ۔ کہ چنیا بیگم اور لال کپتان اصلی حالت پر آ کر اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گئے ہیں ۔

Taj Tahir Foundation

بچوں کیلئے دلچسپ کہانیاں

بادشاہوں کی کہانیاں

ننھے بچے بادشاہوں کی کہانیاں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس کتاب میں تمام بادشاہوں کی کہانیاں جمع کی گئی ہیں۔ کہانیاں بہت دلچسپ اور عمدہ ہیں سُنہری ساری۔ نجومی کا انجام مغرور شہنشاہ جوتین۔ سیب کی قیمت اور نوشیروان اور سکندر بادشاہ کی کہانیاں ایسی ہیں جنہیں ایک دفعہ شروع کر کے پھر چھوڑا نہیں جاسکتا۔ بادشاہوں کی کہانیوں کی اس سے اچھی اور کوئی کتاب موجود نہیں قیمت ۸/

سندباد جہازی

سند باد جہازی نے سات سفر کیئے۔ جن میں عجیب وغریب واقعات پیش آئے اور اس نے بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔ رنگین تصویریں۔ قیمت ۵/۸ پائی ؂

کَل کا گھوڑا

ایک شہزادی کا حیرت انگیز قصہ۔ جسے کل کے گھوڑے نے اُڑا کر بنگالے کی شہزادی کے محل میں پہنچا دیا تھا۔ الف لیلہ کا ایک مشہور قصہ۔ نہایت آسان زبان میں۔ چار رنگین تصویریں ؂

قیمت چار آنے ایک پائی ؂

ماہی گیر کی کہانی

ایک ماہی گیر کی کہانی جس نے جادُو کی مچھلیاں جو اصل میں پریاں تھیں۔ پکڑ کر بادشاہ کے ہاتھ بیچی تھیں۔ الف لیلہ میں سے۔ رنگین تصویریں۔ قیمت ۳/۰

بینگن سُندری اور دُوسری کہانیاں

ایک لڑکی بینگن میں سے نکلی۔ ایک کسان کے ہاں پلی۔ اور آخر ایک عجیب طریقہ سے بادشاہ کی ملکہ بن گئی۔ بادشاہ کی پہلی بیوی نے اُسے ایک ترکیب سے مار ڈالا۔ اور اُس کی نعش ایک مکان میں رکھی گئی۔ اور آخر ایک بڑے مزیدار طریقے سے ملکہ کی قلعی کُھل گئی۔ اور بینگن سُندری زندہ ہوکر بادشاہ سے مل گئی۔ ساتھ ہی اَور نہایت دلچسپ کہانیاں درج ہیں۔ تین رنگین تصویریں۔ قیمت ۹

نیک انجام

جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ ایک شہزادی کا دلچسپ قصہ جو بڑی بڑی مُصیبتوں میں سے ہر مرتبہ بال بال بچی۔ قیمت ۲/۹ پائی

سلیم کی کہانی

غریب اور یتیم سلیم اپنی محنت اور ہمت سے بڑھتے بڑھتے کس طرح بیرسٹر بن گیا۔ اور دُنیا میں مشہور ہُوا۔ قیمت ۳/۳ پائی ؂

ملنے کا پتہ:۔ دارالاشاعت پنجاب لاہور

اتحاد پریس بل روڈ لاہور میں باہتمام شیخ امین الدین پرنٹر چھپا اور سید حمید علی پبلشر نے دارالاشاعت پنجاب ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا۔

Taj Tahir Foundation

تصانیف سید امتیاز علی صاحب تاج

موت کا راگ - چند مصیبت زدہ ملاحوں کی کہانی - جو جل مانسوں کے خونی جزیرے میں جا پہنچے تھے - نہایت دلچسپ قصہ - قیمت ۱ر ۹ پائی

سمندری شہزادی - ایک جل مانس شہزادی کی درد بھری داستان جس نے وفاداری میں سخت مصیبتیں جھیلیں - دلچسپ اور مزے دار قصہ - قیمت ۲ر

ابوالحسن - یعنی سوتے جاگتے کا مزے دار قصہ - جسے سید امتیاز علی صاحب تاج نے الف لیلہ سے آسان کر کے لکھا - قیمت ۴ر ۱۰ پائی

چڑیا خانہ - اس میں چڑیا سے لے کر ہُما تک اور چیونٹی سے لے کر ہاتھی شیر تک کی نہایت مزے دار کہانیاں درج ہیں - نہایت عمدہ پڑھنے کے قابل - قیمت حصہ اول ۶ر ۴ پائی - حصہ دوم ۸ر ۱۱ پائی

گدگدی - کوئی کیسا ہی غمگین اور سُست کیوں نہ بیٹھا ہو - ناممکن ہے کہ اس کتاب کی کہانیاں پڑھے اور ہنسی کی مارے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں اس میں نہایت عمدہ ہنسانے والی کہانیاں اور لطیفے درج ہیں - قیمت حصہ اول ۴ر ۹ پائی حصہ دوم ۶ر ۱۰ پائی

مفصل فہرست نیچے لکھے ہوئے پتہ سے مُفت منگوائیے

دارالاشاعت پنجاب لاہور

Taj Tahir Foundation